

خود پر مکتوب نہ دیکھ دانت یا اپنی وقت سے
 کئی مقامات پر نہایت دفعہ پہلے خذ کر دیے ہیں جنہی سے
 سے پہلے کی بعد ایسی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے ترجمہ غلام
 کیا ہے۔ اگر عابد علم و تہذیب کی رحمت کتاب کو مطالعہ کریں
 و اس پر ذمہ دارانہ تہذیب و تہذیب و تہذیب و تہذیب
 بجائیں۔

فہرست مضامین

- ۱ پہلا باب۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۹
 ۲ دوسرا باب۔ ہجرت ۹۷
 ۳ تیسرا باب۔ رسول اللہ مدینے میں . . . ۷۸
 ۴ چوتھا باب۔ قریش اور یہود کی دشمنی . . ۸۶
 ۵ پانچواں باب۔ یہودیوں اور عربوں کی دشمنی . ۱۰۰
 ۶ چھٹا باب۔ رسول اللہ کی جدلی . . . ۱۲۲
 ۷ ساتواں باب۔ اشاعت اسلام . . . ۱۳۲
 ۸ آٹھواں باب۔ عام الوفود . . . ۱۴۳
 ۹ نواں باب۔ تکمیل رسالت . . . ۱۵۲

تفصیلات
 کی
 درجہ
 کی
 کر
 اف

تعارف

”سرور کائنات“ مشہور عالم انگریزی کتاب اسپرٹ آف اسلام“ مصنفہ
آنریبل سید امیر علی مرحوم کے حصّہ اول کا ترجمہ ہے۔ اس حصّے میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات مندرج ہیں۔ مرحوم منصور احمد سابق چیف
ایڈیٹر ادبی دنیا نے اس حصّہ کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا، اور اب
قومی کتب خانہ، ریلوے روڈ لاہور نے اس ترجمہ کو شائع کیا ہے ترجمہ سلسلے
بامحاورہ اور ہر قسم کے اغلاق سے مبرا ہے۔ مگر باوجود اس کے اصل مطالب
کے مطابق ہے۔ میری رائے میں یہ نفیس کتاب دنیائے اسلام کے ہر فرد بشر
کے لئے موزوں و مناسب ہے۔

محمد شفیع

پرنسپل اورینٹل کالج لاہور

دیکھا چہ

سید امیر علی مرحوم کی شہرہ آفاق تصنیف "سپرٹ آف اسلام" کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ سیرت النبیؐ پر مشتمل ہے اور دوسرے حصے میں اسلام کی تعلیم اور اصول و اعیان کے متعلق مضامین ہیں۔ میں نے ان اوراق میں پہلے حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں آنحضرتؐ کی زندگی پر ایک انسان کا اہل کی حیثیت سے روشنی ڈالی ہے، اور آپ کے کارناموں اور آپ کی تعلیم کو ایسے پرجوش اور خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اس سے نیاؤں کوثر پیرا یہ آج تک کسی دوسرے سیرت نگار کا قلم پیدا نہیں کر سکا۔ یہ سوانح عمری درحقیقت تاریخ ہے اسلام کی ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے جس میں اس کی ایک نہایت ہی قلیل مدت میں لاکھوں انسانوں کے قلب و ضمیر پر قبضہ حاصل کر لینے کی کہانی ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ظہورِ قدسی سے پہلے عرب کے افراد و اقوام کس سستی اور مصیبت میں گرفتار تھے، اور حضور سرورِ کائناتؐ نے کس طرح انہیں مادی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے رہبر بنا دیا۔ دنیا کے اس بے نظیر انقلاب کی سرگزشت میں واقعات کے بیان کے ساتھ ہی انسانی سماج کی اصلاح کا بھی اسلام

۸
کے اختراعات کے جواب ایسے مدلل اور آزادانہ پیرائے میں لکھے گئے
ہیں کہ ہر متقی انسان کے دل میں اُتر جاتے ہیں *
جس بلاغت، برہنگی اور شگفتگی کا حامل سید امیر علی مرحوم کا طرزِ
ہے، اُسے کما حقہ اردو زبان میں مستقل کرتا کم از کم میرے لبوں کی باتیں
میں نے اپنی سیدھی سادی زبان میں اُن کے الفاظ کا صحیح صحیح مفہوم ادا
کر دیا ہے۔ اگر بڑھنے والوں کو اس سے زیادہ کوئی خوبی نظر آئے، تو اسے
مرحوم کے حسن بیان کا فیضان سمجھنا چاہئے *
منصور احمد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پہلا باب

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بَلَّغَ الْعَالَمَ بِكَمَالِهِ كَشَفَ الدُّجَى بِجَمَالِهِ
حَسَنَتْ جَمِيعَ خِصَالِهِ صَلُّوا عَلَيْهِ وَإِلَيْهِ

یہ دو شعر جن کی غوبنی کو ہم دوسرے الفاظ میں ادا کر ہی نہیں سکتے، اس
انسان کے حسن سیرت اور علو اخلاق کے بیان سے شرمندہ ہیں جس کے
حالات زندگی اور جس کی تعلیم کی نسبت ہم آئندہ صفحات میں کچھ لکھنے کا
ارادہ رکھتے ہیں *

۴۹۰ (سن عیسوی کی ساتویں صدی کا آغاز ہے۔ ایک متفکر اور خاموش
طبیعت کا انسان جس کی عمر کا آفتاب اس وقت نصف النہار سے کچھ متجاوز نہ ہو
چکا ہوگا، مغربی لبادہ کندھوں پر ڈالے اور طیلسان کو اپنے چہرے پر جھکائے
اکثر مکہ کے بازاروں میں سے گزرتا ہے۔ اس کی رفتار کبھی دھیمی ہوتی ہے
اور کبھی ذرا تیز۔ نہ وہ کسی گزرنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور نہ دنیا
ان عیش و عشرت کے مناظر پر نظر کرتا۔ بلکہ وہ ایک گہری سوچ میں ڈوبا
ہوتا ہے۔ اس کے سین میں واقعات کے بیان کے معمولی انسان بھی سلام

کرتا ہے تو وہ اس کا جواب دینے سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ اور اُن چھوٹے
 چھوٹے بچوں سے محبت و شفقت کی دو باتیں کرنے سے بھی کبھی دریغ نہیں
 کرتا، جو آکر اُس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ الّا یہی
 ہے۔ اس نے اپنی زندگی ایسے یادیانت اور پُر وقار طریق سے گزاری ہے
 اور اپنے خالق اور اُس کی مخلوق کے حقوق کے لئے اتنی کوشش کی ہے کہ
 اس کی قوم نے اُسے امین کا خطاب دے رکھا ہے۔ لیکن اب اس کی
 عجیب و غریب تعلیم کی وجہ سے اس کے شہر کے لوگ اس کی طرف بدگمانی
 کی نظروں سے دیکھنے لگے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک مجنوں جہلی ہے اور
 ایک دیوانہ انقلاب پرست ہے جو سوسائٹی کے قدیم امتیازات کو ہموار کر دینا
 چاہتا ہے۔ جو اُن کے بُرائے حقوق اُن سے چھیننا چاہتا ہے، اور جو
 اُن کے قدیم رسم و رواج اور قدیم دین و مذہب کو اُن سے چھڑانا چاہتا
 ہے (۱)

(یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ تمام عرب کے شہروں میں اپنی جائے وقوع اور
 اپنی تمدنی اور محاشری سرگرمیوں کی وجہ سے خاص اہمیت اور امتیاز رکھتا
 تھا۔ شہر ایک نشیب وادی میں شمال سے جنوب کی طرف پھیلنا ہوا مغرب
 کی جانب پہاڑیوں کے ایک سلسلے سے اور مشرق میں بحر ہمرے کے پتھر
 کی بلند چٹانوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور اس کے مرکز میں کعبہ کی خوبصورت
 عمارت تھی۔ اپنی سیدھی اور صاف سڑکوں اپنے عالیشان مکانات
 اور اپنے دارالندوہ کے ساتھ یہ شہر اُس وقت اپنے عروج و کمال اور اپنے

طاقت و قوت کا ایک غیر معمولی مظاہرہ کر رہا تھا۔ کعبہ کی تولیت جو دراصل
فرزندِ ندان اسمعیل علیہ السلام کا حق تھی، اہل بابل کے حملہ کی وجہ سے جرمیہوں
کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ مذہبی اور دنیاوی اقتدار کے اجتماع نے بنی
جرہم کو یہ درجہ دے دیا تھا کہ ان کے سردار "ملک" کا لقب اختیار کر چکے
تھے۔ تیسری صدی کے اوائل میں جرہم ایک قحطانی قبیلہ کی یورش سے متاثر
ہو گئے۔ یہ قبیلہ بنی خزاعہ کے نام سے مشہور تھا۔ انہوں نے یمن کے
جنوب سے اٹھ کر مکہ اور حجاز کے جنوبی علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی عرصے میں
آل اسمعیل جو بادشاہ بابل کے ہاتھوں بُری طرح پامال ہو چکے تھے، آہستہ آہستہ
پھر اپنی سابقہ قوت حاصل کر رہے تھے۔ عدنان حضرت اسمعیل کے خاندان
کے ایک فرد تھے۔ ان کا زمانہ پہلی صدی قبل مسیح کے قریب قریب ہے۔
انہوں نے حضرت اسمعیل کی طرح ایک جرہمی سردار کی لڑکی سے شادی کی
تھی۔ اور مکہ ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔ انہیں کے بیٹے محمد حجاز اور نجریہ
خاندان اسمعیل کے مورث اعلیٰ بنے۔ فرج محمد کی اولاد تھے اور جن کا لقب
قریش تھا، اُس قبیلہ کے بارپے، جس میں عرب کا شارح اور پیغمبر پیدا ہوا۔
ان کا زمانہ تیسری صدی عیسوی ہے۔

حرمِ محترم کے تمام مناصب دو سو سال سے کچھ زائد تک بنو خزاعہ
کے ہاتھوں میں رہے اور اس عرصے میں وہ تمام اُس بندگی
اور ذلیل بست کے مالک رہے جو اس خدمت کی وجہ سے انہیں ملی
تھی۔ مکہ کے نواح میں کے آخری سردار حلیل کی وفات پر

قصی جو فر کی اولاد میں سے تھے، اور جن کی شادی خلیل کی بیٹی سے ہوئی تھی، خزاعہ کو مکہ سے نکال کر اس تمام اقتدار پر متصرف ہو چکے تھے، جو دنیاوی اور مذہبی حیثیت سے انہیں شہر میں حاصل تھا، اور اس طرح وہ حقیقی معنوں میں حجاز کے فرمانروا بن چکے تھے۔

آبادی

قصی غالباً پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں مکہ پر قابض ہوئے اور انہوں نے فوراً شہر کا نظم و نسق ایک مرتب اور منظم طریقہ سے شروع کر دیا۔ قصی کے عہد حکومت سے پہلے قریش کے مختلف خاندان متفرق طور پر شہر کے مختلف حصوں میں رہتے تھے جو کعبہ سے کافی فاصلہ پر واقع تھے۔ کعبہ کا وہ حصہ سے بڑھا ہوا احترام جو ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا، ان کو اس کے قریب و جوار میں کوئی جاسے سکونت تعمیر کرنے سے روکتا تھا لیکن قومی جہد کی غیر محفوظ حالت کے خطرے کو محسوس کر کے قصی نے حکم دیا کہ قریش اس کے آس پاس آکر مقیم ہو جائیں مگر کعبہ کے چاروں طرف طواف کے لئے کافی جگہ چھوڑ دی گئی۔ یہ قبیلے جنہیں یہاں نہ مین ملی نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ بندیوں میں رہتے تھے۔

قصی نے اپنے لئے ایک محل تعمیر کیا جس کا دروازہ کعبہ کی طرف کھلتا

اس قصی فر کی سالوں پشت میں تھے۔ ان کی پیدائش کا زمانہ ۳۵۱ء ہے لفظ قریش "قرش" سے ماخوذ ہے۔ جسکے معنی ہیں "تجارت کرنا" اور انکی اولاد تجارت کیا کرتی تھی۔

مکہ بنو خزاعہ کا ذکر اس کے بعد ہم اُس وقت سنتے ہیں جب قریش نے رسول مکا لیا

علیہ وسلم کے خلاف ان سے امداد لب کی تھی۔

روح و کمال اور

تھا۔ یہ محل دارالندوہ کے نام سے مشہور تھا جہاں قضا کی صدارت میں ملکی معاملات پر بحث کی جاتی تھی اور ان کو عمل میں لانے کے لئے احکام جاری کئے جاتے تھے۔ اس دارالندوہ میں چالیس سال سے کم عمر کا کوئی شخص شامل نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن قضا کا خاندان اس شرط سے مستثنیٰ تھا۔ دارالندوہ ہی میں تمام شاہی مناصب بھی عطا ہوتے تھے۔ چنانچہ قریش جب کسی لڑائی میں شامل ہونے لگتے تو اسی جگہ ان کو قضا کے ہاتھ سے جھنڈا ملتا تھا۔ قضا اپنے ہاتھوں سے ایک نیزے کے سرے پر سفید کپڑے کا ایک ٹکڑا ٹانگ دیتے تھے اور پھر خود اسے قریش سردار کے حوالے کرتے تھے یا اپنے کسی بیٹے کے ہاتھ بھیج دیتے تھے۔ یہ رسم عقہ اللہ اکبر لاتی تھی۔ اور ابتدا سے لے کر جب قضا نے اس کا آغاز کیا عرب حکومت کے اختتام تک قدیم دستور کے مطابق انجام دی جاتی رہی۔ قضا کے آئین و ضوابط میں سے ایک اور دستور بھی تھا، جو بڑی مدت تک قائم رہا۔ انہوں نے قریش پر ان غریب حجاج کے لئے جو ہر سال حرم کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ خوراک کے فراہم کرنے کی ضرورت ظاہر کی، اور ان کو بحیثیت میزبان ہونے کے ان کے فرائض بتائے۔ اور ان سے چندہ کے طور پر ایک سالانہ رقم مقرر کرائی جسے افادہ کہتے تھے۔ اور جو ایام المناسبتیں غریب زائرین حرم کو کھانا کھلانے پر صرف کی جاتی تھی۔ قربانی کا دن اور

اور یہ عمارت جو بارہا تعمیر ہوئی آخر کار عبدالملک شانی کے عہد میں ایک مسجد کی شکل

اور تبدیل کر دی گئی :

تھی۔ بلکہ کے فواح میں ایک مقام کا نام ہے :

اس سے اگلے دو دن ایام المناکح ملتے تھے یہ معمول اسلام کے بعد تک جاری رہا خلفاء اور ان کے بعد سلاطین کے نام سے حج کے موقع پر ہر سال جو کھانا تقسیم ہوا کرتا تھا اس کی ابتدا اسی افادہ سے ہوئی۔ تدوین اور افادہ کے الفاظ ان مناصب عظیمہ کو ظاہر کرتے ہیں جن کی بنیاد قصبی نے ڈالی۔ یعنی راقوی مجلس کا انعقاد اور اس کی صدارت۔ (۷) جھنڈا عطا کرنا جو فوج کی سرداری کا نشان ہوتا تھا اور (۸) حجاج کی خوراک کا انتظام کرنے کے لئے چندہ وصول کرنا۔ ان مناصب کے علاوہ نیک اور اس کے گرد و نواح میں ریائی کی بھرسائی کا انتظام قصبی کے ذمہ تھا (سقاہ) کعبہ کی چابیوں کی امانت ان کے سپرد تھی۔ رجا بہانہ اس طرح قصبی نے تمام بڑے بڑے مذہبی، ملکی اور سیاسی مناصب اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لئے تھے۔ وہی بادشاہ تھے، وہی قاضی تھے اور وہی سب سے بڑے مذہبی پیشوا تھے۔ ان کی حکومت اور طاقت نے جو باہل شاہانہ انداز رکھتی تھی قبیلہ قریش کے نام کو چار چاند لگا دیئے۔ یہ متفقہ اور مستحکم طور پر ان کے سردار تھے اور انہیں کے زمانہ سے قریش نے منہ اسمعیل کے دوسرے قبائل میں ایک نمایاں امتیاز حاصل کیا۔

۱۱۹۰ قصبی نے خوب عمر پائی اور ۷۸۰ء کے قریب فوت ہو گئے۔ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا اور ان کی وفات کے بعد عبدالدار بغیر کسی مزاحمت کے خاموشی کے ساتھ اپنے باپ کے منصب حلیل پر فائز ہو گئے لیکن عبدالدار کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں اور ان کے بھائی عبدالمناف کے بیٹوں کے درمیان سخت تنازعہ برپا

ہو گئے۔ اُن کے حلیف اور ہمسائے اور کئی دیگر قبیلے ایک دوسرے کے
مقابلے پر آگئے۔ لیکن ان تنازعات کا جلد ہی فیصلہ ہو گیا اور یہ مقام ہمت ہوئی
کہ سقایہ اور افادہ کے مناصب عبدالشمس بن عبد مناف کو دے دیئے
جائیں اور حجابہ، ندودہ اور لوا عبد الدار ہی کے خاندان میں رہیں۔ عبدالشمس
نے جو نسبت غریب آدمی تھے۔ اپنے فرائض کو اپنے بھائی ہاشم کے سپرد کر
دیا۔ جو عزت و اقتدار اور مال و مال کے لحاظ سے قریش میں بہت بڑا درجہ
رکھتے تھے۔ وہ رقم جسے غریب زائرین کی مدد کے لئے قرضی نے قریش کے ذمہ
ڈالا تھا۔ اب ہاشم کے پاس جمع ہوتی تھی اور چندے کی یہ رقم ان کے اپنے
مال و جنس سے مل کر ان غریب الدیار لوگوں کی خور و نوش پر صرف ہوتی تھی،
جوج کے موسم میں آ کر مکہ میں جمع ہوتے تھے۔

۵ اکثر اہل مکہ کی طرح ہاشم بھی تجارت کرتے تھے اور قریش میں یہ دستور
انہیں کا جاری کیا ہوا تھا کہ مکہ سے باقاعدہ طور پر دو کارواں روانہ کئے جایا
کریں۔ ایک سردیوں میں بین کی طرف اور دوسرا گرمیوں میں شام کی طرف
ہاشم نے مکہ شام کے ایک سفر میں شہر غزہ کے اندر شاہد کے قریب
انتقال کیا۔ اور اپنی اولاد میں صرف ایک اکلوتا بیٹا چھوڑا جس کا نام شیبہ تھا،
اور جو ایک شیرازی خاتون سلمیٰ کے بطن سے تھا ان کی وفات کے بعد افادہ
اور سقایہ کا اہتمام ان کے سب سے چھوٹے بیٹے مطلب کے ہاتھ میں آیا
جنہوں نے اپنے ہموطنوں کی نظروں میں ایک اعلیٰ مرتبہ حاصل کر لیا تھا اور
جن کی بزرگی اور فیاضی کو دیکھ کر قوم نے ان کو "الفیض" کا خطاب دے رکھا

تھا مطلب شیبہ کو شیر سے کتے میں لے آئے۔ مکہ والوں نے شیبہ کو غلطی سے مطلب کا غلام سمجھ لیا اور انہیں عبدالمطلب کہنے لگے۔ اور اس تاریخ رسول خدا کے دادا کو عبدالمطلب کے سوا کسی دوسرے نام سے نہیں پہچانتی۔

مطلب نے ۵۲ء کے آخر میں ملک یمن کے ایک شہر غزوآن میں انتقال کیا اور ان کے بعد عبدالمطلب ان کے جانشین ہوئے اور مکہ کے حقیقی فرمان روا بنے۔ مکہ میں اس وقت چند امراء شہر کی حکومت تھی جو خاندان قحی کے مقتدر افراد پر مشتمل تھی۔ چارہ زمزم کی دوبارہ دریافت جس کا سہرا عبدالمطلب ہی کے سپر اور اس کی نگہداشت اور حفاظت کے تنازعات کے تصفیہ کے بعد جو جاوت برہم حکومت ہوئی وہ دس افراد پر مشتمل تھی جن کو شریف کہتے تھے۔ ان دس افراد کا مرتبہ سلطنت میں سب سے زیادہ بلند تھا اور ان کے ہمدے موڑوتی ہوتے تھے۔ جن کا حق خاندان کے سب سے بڑے فرد کو پہنچتا تھا۔ یہ مناصب مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ حجائیہ۔ کعبہ کی چابیوں کی حفاظت۔ ایک متبرک ہمدہ جو بہت درجہ رکھتا تھا۔ یہ منصب عبدالدار کے خاندان کو حاصل تھا۔ جب اسلام مکہ میں آیا تو اس ہمدہ پر عمان بن طلحہ فائز تھے۔ عثمان بن طلحہ

۲۔ نقایہ۔ یازمزم کے مقدس چشموں اور اس کے علاوہ اس تمام

پانی کا اجارہ جو حجاج کے استعمال کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ یہ منصب نو ہاشم کے خاندان میں تھا۔ اور فتح مکہ کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے چچا عباس کے ہاتھ میں تھا :

۳۔ دیتہ یعنی دیوانی اور فوجداری عدالت، جو مدت دراز تک تیم

بن مرہ کے خاندان میں رہی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہ منصب عبد اللہ ابن قحافہ یا ابو بکر کے پاس آگیا :

۴۔ سفارت جس شخص کے پاس یہ عہدہ ہوتا تھا وہ حکومت کا

وکیل مطلق سمجھا جاتا تھا۔ اسے قریش اور دوسرے عرب قبائل اور غیر عرب لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو جاتے تھے، ان پر بحث اور تصفیہ کا پورا اختیار حاصل ہوتا تھا۔ یہ منصب حضرت عمر کے قبضہ میں تھا :

۵۔ کوا :۔ یعنی اس چھنڈے کے عطا کرنے کا منصب جس کے نیچے

قوم جمع ہو کر دشمن سے جنگ کرنے جاتی تھی۔ یہ سلطنت کی افواج کا اعلیٰ ترین عہدہ تصور کیا جاتا تھا۔ اور اس کا علم بردار بنو امیہ کا خاندان تھا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن ابوسفیان بن حرب متعین تھا :

۶۔ افادہ :۔ اس قسم کا انتظام جو قوم کی خیرات سے جمع ہوتا ہے :

غریب حجاج کے لئے جنہیں حکومت خدا کا حمان سمجھتی ہے، ان میں تطیلہ کے لہجے سے پیرا یا مقیم کا کوئی نیاز نہ تھا، کھانا وغیرہ مہیا کرنے میں سے بلوں سے پیدا ہوئے۔ (دیکھو) میں غلبہ

الوطالب کو الوالمطلب سے ملی۔ اور ان کی وفات میں اور سفیہ ہالہ سے پیدا ہوئیں،

خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اور :۔ اے لیل جلیل عبد اللہ ابن زبیر کے دادا تھے۔ عبد المطلب

حارث :۔ یہاں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی :

۷۔ ندوہ - یعنی مجلس ملیہ کی صدارت جو شخص اس منصب پر مامور ہوتا تھا وہ نظام حکومت کے اندر سب سے بلند مقام پر سمجھا جاتا تھا اور سلطنت کے تمام امور اسی کے مشورے سے انجام پاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ منصب قحطی کے بیٹے عبدالعزی کے خاندان کے ایک فرد اسود کے پاس تھا۔

۸۔ خیمہ - یادار المشورہ کی تولیت۔ یہ عمدہ جو عمدہ دار کو مجلس کے اکٹھا کرنے کا حق دلاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی فوجوں کو جنگ کے لئے مجتمع کرنے کا منصب بھی عطا کرتا تھا، خالد ابن ولید کے سپرد تھا۔ ہومرہ بن بخزوم کے خاندان میں سے تھے۔

۹۔ خازنہ - یعنی بیت المال کا انتظام والنصرام حسن بن کعب کے خاندان کے ہاتھوں میں تھا۔ اور حارث بن قیس کے سپرد تھا۔

۱۰۔ ازلام - ان تیروں کی تحویل جو بٹوں کی مرضی دریافت کرنے کے لئے علاقے جاتے تھے۔ یہ منصب ابوسفیان کے بھائی صفوان کے پاس تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ ایک مسلمہ دستور تھا کہ یہ عمدہ دار جتنا زیادہ پڑاتا درجہ رکھتا تھا۔ یہ بیشتر و اقتدار بھی بڑھ جاتا تھا۔ اور اسے قوم کی طرف سے آیا تو اس عمدہ پرغان بن صفحا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نقایہ - یازہ میں فائز تھے۔

پانی کا اجارہ جو حجاج کے استعمال کے بعد تقسیم کے عبدالمطلب کے ہاشم کے خاندان میں تھا۔ اور فتح مکہ کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکھا

تھا۔ اس معتز زعرب سردار کو جس نے اپنی قوم کے دستور کے مطابق اپنے ایک بیٹے کو اوثان کعبہ کے سامنے قربان کرنے کی منت مانی ہوئی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اولاد کثیر عطا کر رکھی تھی۔ عجد المرطلب اپنے سب سے پیارے بیٹے عبداللہ کو اپنی منت پرور کر کے لئے اپنے معبد کے سنگ دل دیوتاؤں کی نذر کرنے لگے۔ لیکن تقدیر میں کچھ اور لکھا تھا۔ معبد کے کاہن کے کہنے پر انسانی قربانی ایک سواوٹھوں کی قربانی کی شکل میں تبدیل کر دی گئی۔

عبداللہ کی شادی آمنہ سے ہوئی جو خاندان زہری کے سردار و ہب کی بیٹی تھی۔ عبداللہ کی شادی کا سال نہایت اہم واقعات سے پر تھا۔ سال کے شروع میں ایک ہی واقعہ ایسا پیش آیا جس نے تمام عرب کو ہلا دیا اور جس سے تمام قوم کے دل لرز گئے۔ ابراہیم الاشرم بن کے حبشی نژاد نائب سلطنت نے صنعاء میں ایک گرجا تعمیر کیا تھا وہ چاہتا تھا کہ اس مال و دولت کو کعبہ کی عظمت

سے عبدالمرطلب کے ہاں بارہ بیٹے اور چوبیڑیاں بھین۔ ترکوں میں سے عمارت جو سب سے بڑے تھے ۵۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ عبدالعزیز یا ابوالمہدی بن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے میں ہاتھ کر دی۔ عبدالمناف جو ابوالمطلب مشہور ہیں ۵۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۶۲۰ء میں انتقال کیا۔ زبیر اور عبداللہ ۵۴۵ء میں فاطمہ بنت عمر مخزومی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ یزید اور عباس ۵۵۶ء ۶۲۲ء میں نطیلہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مقدیم اور ہبم جو انجندقی اور حمزہ کے القاب سے مشہور تھے۔ ال کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ترکوں میں عتہ امیر، عردہ، ابرار اور ام حکیم جن کا لقب البیضا تھا، فالحمہ کے بطن سے تھیں اور سفیہ ہالہ سے پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی عوام سے ہوئی تھی جو تاریخ اسلام کے بطل جلیل عبداللہ ابن زبیر کے دادا تھے۔ عبدالمرطلب کے باقی دو لڑکوں کے نام نامعلوم ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

تقدیس مکہ میں کھینچ لاتی ہے، اپنے شہر میں منتقل کر لے۔ اہل مکہ میں سے ایک شخص
 نے اس گرجا کی بے حرمتی کی تھی۔ اس واقعے نے اس کے ارادہ کے لئے ایک
 وجہ موجد فراہم کر دی اور اُس نے کعبہ کی عمارت کو گرانے کے لئے ایک بردست
 فوج تیار کی۔ خود میرٹھ کرنا اور ایک نہایت آراستہ و پیراستہ ہاتھی پر سوار ہو
 کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس عظیم الشان حالور کو دیکھ کر جو افواج کے درمیان
 نہایت تمکنت اور باوقار انداز سے چل رہا تھا، عرب قبائل کی ذہینت پر
 اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے "عام الفیل" کے نام سے ایک سن کا آغاز کر دیا۔ یہ
 واقعہ ۶۱۰ء کا ہے جب اہل حبشہ کی افواج قریب آپہنچیں، تو قریش اپنے
 بیوی بچوں کو لے کر قریب کی پہاڑیوں میں منتقل ہو گئے اور وہیں سے حالات
 کی رفتار کا مشاہدہ کرتے رہے۔ انہیں ہر وقت اُمید رہتی تھی کہ کعبہ کے
 اصنام خود اپنے گھر کی حفاظت کر لیں گے۔ صبح اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ
 طلوع ہوئی اور حبشہ والے مکہ کی طرف بڑھے چشم عالم نے اس وقت کیا نظارہ
 دیکھا۔ روایات کہتی ہیں کہ سارے آسمان کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی
 بے پناہ اڑان نے چھپا لیا۔ ابابلیں ذرا سے کنکر بد قسمت فوج پر پھینکتی
 تھیں۔ یہ کنکریاں دشمنوں کی زرد ہوں کو چیر کر انسانوں اور گھوڑوں کے جسموں
 میں سے پیرتی ہوئی نکل جاتی تھیں۔ قدرت کی اس جنگ نے حملہ آور فوج
 میں ایک خطرناک تباہی اور بربادی پھیلادی۔ اس پر مزید یہ ہوا کہ آسمانوں کے
 طوفانی دروازے کھل گئے۔ اور بارش اس شدت سے ہوئی کہ پانی مردہ
 لاشوں اور نیم جان اجسام کو بہا کر سمندر میں لے گیا۔

ابرمہ زخموں سے چور ہو کر صنعا کی طرف بھاگ گیا اور جلد ہی وہاں مر گیا۔
 ابن ہشام یہ عجیب و غریب واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ یہی وہ سال ہے
 جبکہ پہلی دفعہ چھپک ملک عرب میں رونما ہوئی۔ کاسن ڈی پرسیول لکھتا ہے کہ
 ابن ہشام کے یہ الفاظ ہی معجزے کی پوری پوری توضیح کر دیتے ہیں۔ ابرمہ کی
 فوج کی تباہی کے وجوہ کو ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اگر ان وجوہ کو کسی
 خطرناک وبا سے تعبیر کیا جائے۔ ایسا ہی انجام سنقریوں کا ہوا کہ ان کو بھی بارش
 کے اس بے پناہ طوفان نے آیا جو اکثر وادی مکہ میں خوفناک بیماری کا باعث
 ہوا کرتا ہے (+)

اس واقعے کے کچھ مدت بعد مجدد اللہ نے چھپس برس کی عمر میں شریکے
 ایک سفر کے دوران میں انتقال کیا۔ اور ان کے انتقال کے بعد جلد ہی ان کی
 مصیبت زدہ بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا گیا (صلی اللہ علیہ
 وسلم)۔ محمد بارصوبیں ربیع الاول کے دن عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اہل حبشہ
 کی افواج کی تباہی کو بچاس سے کچھ زائد دن گزر چکے تھے۔ سنہ عیسوی کے
 حساب سے اگست ۶۰۰ء کی انتیسویں تاریخ تھی۔ آپ کی ولادت پر بہت سے
 نشانات ظاہر ہوئے جن سے اقوام عالم نے جان لیا کہ دنیا جہان کا نجات
 دہندہ آج مبعوث ہوا ہے۔ تاریخ دان مذہبی مناظر کو ان عجیب و غریب
 نشانات پر بلا دلیل ایمان لاتے ہوئے دیکھ کر ہنستا ہے۔ ایک محقق اور
 متحسّس کے لئے جس کا دل تفکر و تدبّر کے قدیم انداز سے ہمدردی رکھتا
 ہے اور جس کا دماغ ان آیات و نشانات سے جو مسلمانوں کے نزدیک پرستار

صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر رونما ہوئے کوئی تعصب نہیں رکھتا تاریخی
 تجزیہ کا محتاج ہے۔ ہم جو اس جدید زمانے میں پیدا ہوئے ہیں افراد اور قوم
 کی زندگیوں کے مسمولی واقعات میں ایک ناقابل مقابلہ قانون کو جاری و
 ساری دیکھتے ہیں۔ پھر کیا تعجب ہے اگر آج سے تیرہ سو سال پہلے لوگوں نے
 کسی قوم کے آثار کے مٹنے میں خدا تعالیٰ کے ہاتھ کو کام کرتے ہوئے
 دیکھا۔ اور اُسے اس قوم کے اُس انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پایا۔
 جو اُن کے ظلم اور نا انصافی کی بدولت یقینی طور پر ہونے والا تھا۔ عربوں کے
 دستور کے مطابق بچے کو دودھ پلانے کے لئے ایک بدوی عورت حلیمہ کے
 سپرد کیا گیا جو بنی سعد کے قبیلہ سے تھی جو قوم ہوازن کی ایک شاخ تھی۔ جب
 حلیمہ بچے کو واپس لائی تو وہ کچھ عرصہ اپنی ماں آمنہ کی زیر نگرانی رہا۔ لیکن آمنہ
 نے کچھ ہی دنوں کے بعد انتقال کیا۔ اور آپ اپنے دادا عبد المطلب کی نگرانی
 میں پرورش پانے لگے۔ عبد المطلب بھی آنحضرت کی والدہ کے چند ہی سال
 بعد تک زندہ رہے۔ اور گو اس عرصہ میں انہوں نے بڑی محبت اور
 جانفشانی سے آپ کی حفاظت کی لیکن والدین کی محبت کا جو بچپن کی ایک
 نعمت ہے یہ نعم البدل نہ بن سکتی تھی۔ والد کا انتقال آپ کی ولادت سے
 پہلے ہی ہو چکا تھا۔ والد بھی چھ سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گئے، اور
 اس ناقابل تلافی نقصان نے حساس طبیعت بچے کے دل
 پر ایک گہرا اثر کیا۔ عبد المطلب کا انتقال ۵۷ھ
 میں سفر صناعا سے واپس آ کر مقوڑے ہی دنوں بعد

ہو گیا۔ جہاں وہ ذوالقرنین کے بیٹے سیف کو طوباس کا تخت ملنے پر قریش کی طرف سے مبارکباد پیش کرنے گئے تھے جو اسے ایرانیوں کی مدد سے ملا تھا۔

عبدالمطلب کی وفات کے بعد اس یتیم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا ایک اور دور شروع ہوتا ہے۔ بستر مرگ پر عبدالمطلب نے آپ کو ابوطالب کے سپرد کیا۔ اور ابوطالب ہی کے گھر میں آپ نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام گزارے چچا کے غریب اور مسکین گھرانے میں ہم اکثر آپ کو خیالات میں غرق اور آپ کی آنکھوں کو غور و فکر میں دوبا ہوا پاتے ہیں۔ ان آنکھوں کو جو اس زمانہ میں مستقبل کو دیکھ رہی تھیں، اور کبھی ہم آپ کو صحرا میں حسن فطرت کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں بچپن ہی سے آپ کی طبیعت حلیم اور آپ کے اخلاق کریمانہ تھے۔ کسی کی ذرا سی تکلیف کو دیکھ کر بھی آپ کا دل بھر آتا تھا۔ ہر شخص کو آپ سے بے انتہا محبت تھی اور چچا بھی آپ سے بڑی الفت رکھتے تھے۔ آپ کی ابتدائی زندگی بھی محنت و مشقت کے بارے آزاد نہ تھی۔ آپ کو اکثر اپنے چچا کے گلوں کی رکھوالی کے لئے صحرا میں جانا پڑتا تھا۔ ہاشم اور عبدالمطلب

سے سقاہ اور افادہ کے مناصب جو عبدالمطلب کے سپرد تھے ان میں سے سقاہ اور زہزم کی نگہبانی ان کے بیٹے عباس کو ملی، اور دوسری ابوطالب کو حاصل ہوئی جو کہ میں بڑی صاحب اختیار شخصیت کے مالک تھے۔ مگر ابوطالب نے افادہ کو اپنی اولاد کیلئے نہ چھوڑا۔ یہ منصب ان کی وفات کے بعد ابن نوفل ابن عبد مناف کو ملا اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ فتح کیا تو یہ منصب اس وقت حارث بن عمر بن نوفل کے پاس خاجہ یا کہ ہم منصب افادہ کی ذیل میں پہلے ہی ملے ہوئے

کی شاہانہ فیاضیوں نے اپنے ورثا کے لئے کچھ نہ چھوڑا تھا، اور اب اپنی عسرت کے باعث اپنا اقتدار و اختیار کھورہے تھے۔ حجاج کو کھانا وغیرہ کھلانے کی خدمت بنو امیہ کے جھٹے میں آپہنچی تھی جنہوں نے اولاد ہاشم کے لئے ہمیشہ نہایت حسد و روش کا اظہار کیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابھی کم سن ہی تھے کہ غزوہ الفجار کی ابتدا ہوئی جس میں جان و مال کا بڑا نقصان ہوا اور جو کئی سال تک جاری رہی۔ یہ لڑائی عکاظ کے مقام پر ہوئی اور اس میں قریش اور بنی کنانہ ایک طرف تھے اور قیس عیلان دوسری جانب۔ عکاظ مکہ سے تین چھوٹی چھوٹی منزلوں پر طائف اور نخلہ کے درمیان واقع ہے۔ اس جگہ جو تاتخ عرب میں بہت مشہور ہے ذی القعدہ کے محرم مہینے میں سالانہ ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ اس مہینہ میں جنگ کرنا یا کسی اور طریقے سے انسانی خون بہانا ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ مجنہ کے نام پر مزار الزہران کے قریب جو مکہ کے پاس واقع ہے اور عرفات کے دامن میں ذوالحجاز پر بھی میلے ہوتے تھے۔ مگر عکاظ کا میلہ ایک قومی میلہ سمجھا جاتا تھا جہاں بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ یہاں اس مقدس مہینے میں جب تمام دشمنیاں اور تمام قبیلہ دارانہ پر خاشیں مدفون و مفقود سمجھ لی جاتی تھیں۔ عرب کے تمام حصوں سے اور دوسرے ملکوں سے دنیا کی تجارت کا ایک دریا بہتا تھا۔ یہیں نجد و حجاز کے تاجر و صحر کے شاعر اور بڑے بڑے خطباء اکثر انتقام لینے والوں سے چھپنے کے لئے اپنے چہروں پر نقاب ڈال۔ ڈال کراتے تھے اور ان تمام قوموں سے جو وہاں جمع ہوتی تھیں داد حاصل

کرنے کے لئے اپنی نظمیں سناتے تھے عکاظِ غرب کا اولمپیا تھا۔ یہاں یہ
 لوگ محض تجارت کی غرض سے نہ آتے تھے بلکہ اپنی شجاعت اور اپنی شوکت
 کے نئے گانے آتے تھے اور اپنی ادبی اور شعری قابلیتوں کا مظاہرہ کرتے آتے
 تھے۔ وہ قہیر سے تھیں تمام لوگ پسند کرتے سُہری حروف میں لکھائے
 جاتے اور قوی صنم کنسے رکعبہ میں اختلاف کے لئے بطور یادگار لٹکا دیتے
 جاتے تھے، اس لئے یہ نظمیں محلفات کہلاتی تھیں۔ ان ایام میں عکاظِ خوشی
 اور جوش کا ایک عجیب حال پیش کرتا تھا۔ لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رخ
 بھی تھا (رقاعہ ٹوڑتیں جو خیمہ بیخیمہ پھرتی ہوئیں صحرائے اکھڑ اور تند مزاج فرزندوں
 کے جذبات کو اپنے نشاط اور گیتوں اور ناز و انداز سے مشتعل کرتی چلی جاتی
 تھیں، شرابی بھانڈو جن کے تماشے اکثر لڑائی جھگڑے اور فوں ریزی پر ختم
 ہوتے تھے، جو اُکھیلنے کے اڈے جہاں اہل مکہ شام سے صبح تک یوٹا
 کھیلتے رہتے تھے، دور قریب شاعروں کا ایک دوسرے کے خلاف نفرت
 اور دشمنی کے جذبات کا ابھارنا جس کے نتیجے میں دو فریق تلواریں کھینچ لیتے اور
 یہ جھگڑا ایک غیر مختتم اور تباہ کن جنگ کی صورت اختیار کر لیتا۔ یہ باتیں تھیں
 جنہوں نے تصویر کے اس رخ کو بے حد گناہنا کر رکھا تھا اور یہی باتیں تھیں جو
 آسمن کے تیسیم پیچھے کے دل پر گہرا اثر ڈال رہی تھیں۔ قبیلہ دارانہ جنگوں
 کے اس درمیانی وقفے میں یعنی ان مقدس مہینوں میں جب
 کہ تمام جھگڑے اور خونریزیاں ممنوع قرار دی جاتی تھیں۔
 آلِ حضرت اپنے سر پرست چچا کے ساتھ ایک تجارتی سفر پر

شام کی طرف گئے۔ یہاں آپ کی آنکھوں نے معاشرتی تذلل اور مذہبی پستی کا وہ بھیانک نظارہ دیکھا جو تمام عمر آپ کی یاد سے محو نہ ہو سکا۔ اسی در ماندگی اور بیچارگی میں خیالات و افکار سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ یہ دُور یتیم بچے سے جوان اور جوان سے مرد ہوا۔

آپ اپنی قومی روایات سے اچھی طرح واقف تھے۔ جدید اصطلاح کے مطابق آپ کوئی تعلیم نہ رکھتے تھے۔ باوجود اس محنت کے جو آپ کو اپنی قوم سے تھی، آپ اپنے عادات اور خیالات کی وجہ سے ان لوگوں سے بالکل الگ نظر آتے تھے۔ معاشرہ کے اس ہیولی میں آپ تنہا اپنی عقیم اور ابتر قوم کی اس متحرک تصویر کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اہل مکہ کی عالمگیر بے آئینی، عکاظ میں جانے والے قبیلوں کے بے وجہ خونریز جھگڑے، قریشیوں کا فسق و فجور اور اوہام پرستی آپ کے اثر پذیر دل میں خوف اور بیزاری کے جذبات پیدا کر دیتے تھے۔

اپنی عمر کے پچیسویں سال میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ پھر شام کا سفر کرنا پڑا۔ اس دفعہ وہ اپنے خاندان کی بلند مرتبہ قریشی خاتون خدیجہ کے تجارتی قافلہ کے ساتھ معتمد کی حیثیت سے گئے۔ جس قابلیت اور امانت سے آپ نے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ اس کے خوش آئند نقوش خدیجہ کے دل پر آہستہ آہستہ محبت کی صورت میں گہرے ہوتے گئے اور جلد ہی یہ محبت ازدواج

لے ابو طالب اپنے والد اور دادا کی طرح شام اور یمن کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ وہ دمشق بصرہ اور شام کے دوسرے شہروں میں گناہ اور حج کی کھجوریں اور یمن کے عطرے جاتے اور ان کے بدلے بازیلیں اشیاء لاتے تھے۔

کی رفاقت میں تبدیل ہو گئی۔ باوجود اس تفاوت کے جو محمد (صلعم) اور آپ کی
 بیوی خدیجہؓ کی عمر میں تھا کیونکہ وہ عمر میں آپ سے بہت بڑی تھیں، طریق
 میں اتنا درجہ کی محبت تھی۔ یہ نکاح آپ کے لئے وہ اطمینان لایا جس کی آپ
 کو نبوت کے سے عظیم الشان کام کی انجام دہی کے لئے ضرورت تھی۔
 اس کے علاوہ خدا نے آپ کو ایک عورت کا محبت بھرا دل دیا جو سب سے
 پہلے آپ پر ایمان لایا۔ یہی دل تھا جو پاس اور ناامیدی میں آپ کی ڈھانسیں
 بندھاتا اور اُمید کے جھلملاتے ہوئے شعلے کو اُس وقت زندہ رکھتا۔ جب کہ
 کوئی شخص آپ پر یقین نہ لانا تھا، یہاں تک کہ خود آپ کو اپنے آپ پر پورا
 یقین نہ تھا، اور آپ کی آنکھوں کے سامنے تمام دنیا تاریک تھی۔

خدیجہؓ ایک نمایاں ہستی ہیں۔ اور ان کی زندگی تمام مسلمان عورتوں
 کے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔ وہ الزام جو شرع اسلام میں عورت کا
 درجہ پست کرنے کے متعلق لگایا جاتا ہے حضرت خدیجہؓ اور ان کی سب سے
 چھوٹی صاحبزادی "الزہرا" کی اُس عزت اور مرتبے کے مقابل بے حقیقت
 ثابت ہو جاتا ہے جو انہیں مسلمانوں کے نزدیک حاصل ہے۔ خدیجہؓ کے
 بطن سے آنکھرتے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ لیکن تمام بیٹے
 بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ ان لڑکوں کی موت نے غمزدہ باپ کا دل ہلا دیا۔
 جو ان سے بہت مالوس ہو گیا تھا۔ انہیں حادثات سے دشمنوں کو رسول
 اللہ کے لئے الابرار جیسا غیر مذہب نام تجویز کرنے کا موقع ملا۔

آپ کی ازدواجی زندگی کے آئندہ پندرہ سال عبادت و ریاضت

اور تفکر و تدبیر میں خاموشی سے گزر گئے۔ صرف چند موقعے ایسے آئے جب آپ کو اپنی حالت کی نزاکت یا شہری ضروریات کی وجہ سے اپنی قوم سے سابقہ بڑا۔ عید المطلب کی وفات کے بعد حکومت کم و بیش تقسیم ہو چکی تھی۔ مختلف ارکان کے محدود اختیار تھے، اور ایسی کوئی عدالت نہ تھی جس کے زیر سایہ افراد کے حقوق اور ملکیت پر امن طریق پر محفوظ رہ سکتے۔ خوئی رشتے اور قبائل کے ساتھ تعلقات تو کسی حد تک شہریوں کو ظلم و جور اور غارتگری سے بچا لیتے لیکن اجنبی ہر قسم کے ظلم کا نشانہ بن سکتے تھے۔ نہ صرف ان کے مال و متاع لوٹ لئے جاتے بلکہ ان کی بیویاں اور بیٹیاں بھی چھین لی جاتیں۔ جنتلہ جو قبیلہ بنی القاسم کا ایک مشہور شاعر تھا اور ایک ذی مرتبہ قریش عبد اللہ ابن جدعان کی زیر حمایت شہر میں داخل ہوا تھا کہ کے بازاروں میں لٹ گیا۔ بے آئینی کے ایسے ہی ایک اور واقعے کی وجہ سے حالات نے سخت نازک صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ آنحضرت کی تحریک پر بنی ہاشم، بنی مطلب اور قبائل زہرا اور بنیم کے مقتدر ارکان نے متحد ہو کر افراد کی حفاظت کے لئے قسمیں کھائیں کہ خواہ وہ کئی ہوں یا اجنبی، آزاد ہوں یا غلام، نہ کہ کے حدود کے اندر ان سے اگر ظلم یا بے انصافی کی جائے گی، تو مظلوم کے نقصانات کی پوری طرح تلافی کی جائے گی۔ اس اولو العزم انجمن کا نام بنی ہاشم کی پرانی انجمن کے نام پر حلف الفضول رکھا گیا۔ جس کے چار ارکان فضل، فضال، مفضل اور فضیل تھے اور مجموعی طور پر فضول کہلاتے تھے۔ یہ انجمن آنحضرت کے نکاح کے فوراً بعد یعنی ۵۹ھ میں قائم ہوئی اور آنحضرت اُس کے رکن اعلیٰ قرار پائے۔

انجمن فضول کا قیام کمزوری اور مظالموں کی دستگیری کے لئے بہت مفید ثابت
 ہوا۔ پہلے ہی سال زیر دستوں کی بے آبنیاں اس کے رعب سے دب گئیں
 اور زیر دستوں کے نقصانات کی پوری طرح تلافی ہو گئی۔ یہ انجمن عہد اسلام
 میں بھی پچاس سال تک پوری قوت سے قائم رہی۔ قیام حلف الفضول کو چند
 ہی سال ہوئے تھے، اور ساتویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ تھا کہ عثمان بن
 حویرث نے بازنطینی دولت کی پشت پناہی پر حجاز کو روم کے ماتحت کرنے کی
 کوشش کی۔ آنحضرتؐ کی دخل اندازی سے وہ اپنے ارادہ میں ناکام رہا
 اور شام کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں بعد میں غسانی شہزادہ عمر نے نہ ہر دے کر
 اسے مار ڈالا۔ ۴۰۵ء میں جبکہ آنحضرتؐ کی عمر پینتیس سال کی تھی قریش
 نے کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا کام شروع کیا۔ تعمیر کے دوران میں مختلف قبائل
 کے درمیان تعمیر کے متعلق ایک ایسا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا جس میں اگر آنحضرتؐ
 دخل دے کر سب کو مطمئن کر دینے والا فیصلہ نہ کر دیتے۔ تو یہ ضرور ایک
 مہیب اور خونریز جنگ کی صورت اختیار کر لیتا۔ ان پندرہ سال کے دوران میں
 صرف یہی واقعات ہیں جو ہم آپ کی قومی زندگی کے متعلق جانتے ہیں۔ آپ کی سیرت
 آپ کی اُمور پسندی، آپ کی پاکیزہ زندگی، آپ کا غریبوں اور ناتوانوں کی امداد
 کے لئے ہر وقت تیار رہنا، آپ کی ایمانداری، آپ کی دیانت داری، آپ
 کی وفا، آپ کا احساسِ فرائض یہی باتیں تھیں جنہوں نے آپ کے لئے آپ
 کے ہوطنوں سے الٰہمین جیسا قابلِ رشک خطاب حاصل کیا تھا۔
 ”یہی وقت تھا جب آپ نے اپنے چچا کے احسانات کا کچھ بدلہ اُن

کے بیٹے علی کو اپنی زیر تربیت لے کر دینا چاہا۔ ابوطالب اپنے قبیلہ کی گذشتہ
 عظمت کو حاصل کرنے کے لئے بہت حد تک تنگدست ہو چکے تھے۔ آنحضرت
 جو اب حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہو جانے کے باعث خوشحال تھے اور حضرت
 عباسؓ ابوطالب کے بھائی مکہ کے دولت مند لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔
 عرب میں سخت قحط پڑا۔ اس پر آنحضرتؐ نے ابوطالب کے ایک بیٹے کی
 کفالت پر اپنے چچا عباس کو آمادہ کیا اور دوسرے کو خود لے لیا۔ اس طرح
 جعفرؓ حضرت عباس کے پاس، علیؓ آنحضرت کے پاس اور عقیلؓ اپنے باپ
 کے پاس رہے۔ چونکہ آنحضرت کے تمام بیٹے بچپن ہی میں وفات پا
 چکے تھے اس لئے حضرت علیؓ کی محبت میں آپ اپنے نقصان کی تلافی
 محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی عمر سے چھوٹی صاحبزادی فاطمہؓ کے ساتھ
 حضرت علیؓ کے نکاح نے اس رشتہ محبت و مودت پر مہر ثبت کر دی۔
 انہیں دنوں آنحضرتؐ نے لوگوں کے لئے رحمت و رافت کی
 ایک ایسی مثال قائم کی جس نے اہل مکہ پر بہت اچھا اثر ڈالا۔ ایک عرب
 نوجوان زید بن حارثہ ایک دشمن قبیلہ سے بطور قیدی کے لایا گیا۔ اسے
 حضرت خدیجہؓ کے ایک بھتیجے نے خریدا اور حضرت خدیجہؓ سے یہ تحفہ آنحضرتؐ
 کو ملا۔ اور آپ نے اسے فوراً آزاد کر دیا۔ اگر ایک طرف رحم و کرم صادر ہوا
 تو دوسری طرف محبت و عقیدت نے اس کا جواب دے دیا۔ چنانچہ اس
 عرب لڑکے کو آنحضرتؐ سے جدا کر کے اپنے گھر اور قبیلے میں جانے کے
 لئے خود اس کا باپ بھی آمادہ نہ کر سکا۔

اسی طرح آزمائش و امتحان کے یہ پندرہ سال انسانی مصائب و

غم سے : اعداد سال دوسروں کی مصیبت اور ہمدردی میں گزرے ۔

محمد صلعم کے سامنے اُن کا ملک نخون میں نہا رہا تھا ۔ فرقہ دارانہ جنگوں اور قبائل کی نا اتفاقیوں نے اس کے ٹکڑے کر دیئے تھے ۔ آپ کے

ہموطن جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے ۔ فحش اور ناپاک طرلقہ ہائے عبادت

اور اوہام پرستی کے عادی تھے ، اور اپنے تمام صحرائی اوصاف کے ساتھ قانون

شکن اور ظالم تھے ۔ شام کے دوفوقہ کے سفر نے آنحضرتؐ کے سامنے اخلاقی

اور معاشری پستی کا ایک ناگفتہ بہ نظارہ پیش کر دیا تھا ۔ حریف فرقہ ایک

دوسرے کے ٹکڑے اڑا رہے تھے ۔ جس مفروضہ خدا کی وہ عبادت کرتے تھے ،

اس کے وجود کو ایک دوسرے سے چھپتے تھے ۔ ان جذبات نفرت کو وہ

حجاز کی وادی و صحرائیک لے آئے ، اور عرب کے شہروں کو لڑائیوں اور

دشمنیوں سے بھر دیا ۔ آنحضرتؐ کے سامنے ایک تاریک اور یاس

انگیز منظر تھا ۔ وہ چند آدمی جو اپنے پرانے عقاید کو چھوڑ کر اس خوفناک تاریکی

سے چار اشخاص زید ، ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کے بیٹے اور دو اور اشخاص (عبید اللہ اور عثمان) بہت

پرستی کو خیر باد کہہ کر کسی سچے دین کی جستجو کر رہے تھے ۔ زید ان سب میں پیش پیش تھے ۔ زید سے آنحضرتؐ کی

ملاقات اس وقت ہوئی جب ابی آپ خدا تعالیٰ سے ہمکلام نہ ہوئے تھے ۔ بہت پرستی سے متنفذ دیکھ کر آنحضرتؐ کے

دل میں زید کی عزت بہت بڑھ گئی ۔ کچھ دن کے بعد جب زید کے بھتیجے نے ان کے لئے دعائے رحمت کرنے کی استدعا

کی تو آنحضرتؐ انہوں نے اپنے دادا کے لئے دعا نہ کی تھی ، اور وہ بہت پرستی ہی میں فوت ہوئے تھے نہایت

خوشی سے زید کے لئے دعا مانگی ۔

میں کسی پُر امن جگہ کے لئے بھٹکتے پھر رہے تھے، ایک عالمگیر بے اطمینانی کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ان کے پاس اپنی ذات کے سوا انسانیت کو پیش کرنے کے لئے کچھ نہ تھا۔ لیکن آنحضرت کی روح آسمانوں کی رفعتوں کی سیر میں مصروف تھی۔ وہ تمام کائنات کے، حیات و موت نیکی اور بدی کے اسرار دیکھ رہی تھی اور اس بیہوشی میں ایک ضابطہ اور قانون معلوم کرنا چاہتی تھی، اور وہ الفاظ جو خدا نے آپ کے لئے دیئے تھے، دنیا کے لئے ایک زندگی بخش طاقت کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ نکاح کے بعد کئی سال تک آپ کا یہ معمول رہا کہ بعض اوقات مع اہل و عیال اور بعض اوقات اکیلے کوہِ حرا پر ایک غار میں چلے جاتے۔ حرا ایک بخر کا ٹیلہ ہے جو پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے سلسلے سے کٹا ہوا صحرا کے تہاڑت بخر آفتاب کے سامنے اکیلا کھڑا ہے۔ یہاں کسی درخت، پھول یا چشمہ کا نشان تک نہیں حقیقت میں تنہائی آپ کو بہت مرغوب ہو گئی تھی۔ اس غار میں آپ بعض اوقات تمام تمام رات گہرے خیالات میں غرق اپنے اُن دیکھے لیکن محیط کل رب کائنات کے حضور میں حاضر رہتے۔ آہستہ آہستہ زمین و آسمان ایک جاودانی المام اور حکم سے بھر گئے۔ ایک آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی، یہاں تک کہ آپ کے ارد گرد کی ہر جان چیزیں پتھر، ٹیلے اور درخت بھی آپ کو اس کام کی انجام دہی کے لئے پکارنے لگے۔ جو ایک قادرِ مطلق طاقت آپ کو تفویض کر رہی تھی۔

۱۔ اب کوہِ نور کہلاتی ہے۔ ابن ہشام، ابن الاثیر اور ابوالفدا کہتے ہیں کہ آنحضرت اکثر ماہِ رمضان غارِ حرا میں عبادت میں گزارا کرتے تھے اور غریبوں کی امداد اور مسافرانِ حرا کی دستگیری میں صرف کیا کرتے لیکن طبری ماہِ رجب لکھتا ہے۔ ۲۔ ابن ہشام ص ۱۵۱

کیا روح کی شہرت اس سے بڑھ کر ہو سکتی ہے؟ الہامات اور
فرشتوں کی شکلیں ان لمحات میں روشن ہوتی جاییں۔ اس وقت آپ پر وہ
حقائق ظاہر ہوتے جن سے آپ دنیا کے تین مردہ کو زندہ کرنے والے تھے۔
دنیا کی عظیم الشان ہستیوں نے اکثر اندھیرے میں اور ہستی کے سنگلاخ راستوں
میں ان غیر محسوس اور غیر مرئی اثرات کو محسوس کیا ہے جنہوں نے نبی نوح انسان
کو عظیم الشان برکات سے مالا مال کر دیا۔ رازِ ازل کے اُس قدیم مانند ابراہیمیل سے لے
کر جس کا روشن اور پُر جلال چہرہ اُفقِ ماضی کی تاریکیوں میں بھی صاف نظر آ رہا ہے
مسیح تک جو ملک کے ویرانوں میں اپنی قوم کی سیاہ بختی اور اپنے کام کی عظمت
پر فکّر کرتا ہوا اپنے سچے خدا کے شیریں الفاظ سنتا تھا۔ اور پھر مسیحؑ سے محمدؐ صلے
اللہ علیہ وسلم تک غارِ حرا کی تنہائیوں میں ان اثرات کے تسلسل میں کوئی انقطاع
واقع نہیں ہوا۔ رات کی پُر سکون گھڑیوں میں صبح صادق کی شیریں خاموشیوں میں
جبکہ کوئی ہمدرد انسان پاس نہیں، تنہائی کی گہرائیوں میں سے آپ کو ایک
انسانی آواز آتی، اس طرح جیسے نیم صبح کا ہلکا سا جھونکا چلے "تو ہی وہ
انسان ہے۔ تو ہی خدا کا پیغمبر ہے" یا جب آپ اپنے خیالات میں ڈوبے
ہوئے ہوتے تو ایک زبردست آواز گونج اٹھتی۔ "اپنے رب کے نام سے پڑھو"
مصرف و منہک قلب ایسے اوقات میں ایک تصویر آنکھوں کے سامنے
قائم کر دیتا ہے۔ ان متبرک ہستیوں کی تصویر جو رب السموات کے پیغامات
زمین و انسان تک پہنچاتی ہیں۔ خدائے تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو منتخب کر
لیتا ہے۔ اور اُن سے رعد کی کڑک سے بھی بلند آواز میں خطاب کرتا ہے۔

یہ وہی اندرونی آواز ہے جس کے ذریعہ سے خدا ہم سب کے مخاطب ہوتا ہے۔
 ممکن ہے یہ آواز بہت مدہم ہو اور ہمیں مشکل سے سنائی دے۔ یا اس کا الوہی
 لہجہ تبدیل ہو جائے، اور ہمارے لئے دل میں یہ دنیاوی دانش بن کر داخل
 ہو۔ لیکن یہی آواز باوقار و غلبہ اپنی پوری الوہیت کے ساتھ خدا کے منتخب
 لوگوں تک پہنچتی ہے، اور ان کے کانوں میں آسانی آواز کی طرح گونجی ہے۔
 ہستی باری تعالیٰ کی نسبت آنحضرتؐ کے اس وسیع تصور کا تعلق اپنے
 عہد کی عام فہم سے تنہا توضیح ہے اس زہد و تقویٰ اور استعمال کی جس
 سے اس قدر حوی کل اہامات ظاہر ہوئے۔ یہ صرف اتفاق امر نہیں کہ کائنات
 کی ایک عظیم الشان قوت ایک ایسے صحرا کی تنہا بھول سے ظاہر ہوئی جس
 کے آس پاس عظیم الشان سلطنتوں کا ایک دریا موجیں مار رہا تھا۔ دنیا میں خاص الخاص
 پیغمبرانہ دھڑول کی آواز ہمیشہ صحرا ہی سے بلند ہوتی ہے۔ عرب اس وقت
 ایک فرد واحد تھا۔ اور پیغمبر اسلام اس کی مرکز آواز۔ اپنے اس عالی نسب
 فرزند پر جو کسی پراسرار طاقت سے مجبور ہو کر تاروں بھری راتوں میں تنہائی ڈھونڈتا
 پھرتا تھا صحرا اپنے تمام اسرار کھول دیتا۔

ایک رات وہ شرف و بزرگی کی رات، کہ اس میں خدایا اس سلامتی
 تمام کائنات پر چھا جاتی ہے اور تمام مخلوق اپنے خالق کی طرف رجوع ہوتی
 ہے، آدمی گزیر چکی تھی کہ آبِ حیاتؑ کا پیالہ پیاسے ہونٹوں سے لگا دیا گیا۔
 آپ اپنے خیالات میں گم لیٹے ہوئے تھے کہ ایک آواز نے ایسی آواز جیسے

سہیر فی سطر - سہ جانبی "مذہب مشرق" ص ۵۹ "لید القدر" سہ قرآن حکیم

کسی مہیب سمندر کی موجوں سے پیدا ہوتی ہے، آپ کو پکارا اور پڑھنے کو کہا۔ وہ سرتنبہ آواز آئی۔ لیکن آپ نے توجہ نہ کی۔ اب ایک خوفناک بوجھ نے آپ کو دبایا اور جواب دینے پر مجبور کیا۔ پڑھ! "آواز نے پکار کر کہا: میں کیا پڑھوں؟ جواب آیا "اپنے رب کے نام سے پڑھ!"

جب آواز بتا چکی کہ کس طرح ایک ناچیز ابتدا سے انسان کو ہستی میں لایا گیا۔ اور عقل اور علم دے کر کس طرح اس مہربان خدا نے اسے بلند کیا۔ اس سے قلم وہ کچھ بتایا جس کا اسے علم نہیں تھا۔ تو آنحضرتؐ اس عالم سے بیدار ہوئے اور ایسا محسوس کیا جیسے وہ الفاظ جو آپ کی روح سے کہے گئے تھے۔ آپ کے دل پر لکھے ہوئے موجود ہیں۔ آپ کے جسم پر کپڑی سی چھا گئی۔ آپ جلد ہی سے گھر گئے اور بیوی سے کہا "خدیجہ! بچے کیا ہو گیا ہے؟" آپ لیٹ گئے اور وہ آپ کی طرف دیکھتی رہیں۔ جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا: "خدیجہ! وہ شخص جس کے متعلق کوئی یقین نہیں کر سکتا (یعنی آپ) یا تو کاہن ہو گیا ہے یا اس کو جہنم کا دورہ ہوا ہے۔" خدیجہ نے کہا: "خدا محفوظ رکھے۔ اسے ابو القاسم وہ یقیناً آپ کو اندوہ لگیں نہ کرے گا۔ کیونکہ آپ سچ بولتے ہیں۔ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے۔ آپ ایماندار ہیں۔ آپ کی زندگی نیکیوں میں بسر ہوئی ہے اور آپ اقربا اور دوستوں پر مہربانیاں کرتے ہیں۔ آپ بازاروں میں بہبودہ گفت گو بھی نہیں کرتے۔ آپ کو کیا ہوا ہے۔ کیا آپ نے کوئی خوفناک بات دیکھی ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا "ہاں!" اور پوچھا آپ نے دیکھا تھا سب سنا دیا۔ جس پر خدیجہ نے کہا "مخوش ہو جائیے، اور لمبیدت

کو سنبھالئے۔ وہ خدا جس کے ہاتھ میں خدیجہؓ کی جان ہے، میرا گواہ ہے کہ
 آپ اس زمانہ کے پیغمبر ہیں! پھر وہ اٹھیں اور اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس
 گئیں جو لوڑھے اور نابینا تھے۔ اور یہود و نصاریٰ کی کتب مقدسہ کے عالم
 تھے۔ جب خدیجہؓ نے انہیں تمام واقعہ سنایا تو وہ پکار اٹھے۔ "قدوس۔ قدوس۔
 پاک ہے پاک ہے۔ یقیناً یہی نالوس الاکبر ہے جو موسیٰؑ پر اترا۔ محمد اس زمانہ
 کا پیغمبر ہوگا۔ اسے بتادو اور کہہ دو کہ دل مضبوط رکھے۔"

سلطنتوں اور قوموں کی تباہی اور خاندانوں اور قبائل کے وحشیانہ شورش
 و فساد کے درمیان ایک آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ مغرب سے مشرق تک
 اور شمال سے جنوب تک کہ خدا کا پیغام ظاہر ہونے والا ہے۔ وہ گداریا قریب
 پہنچ چکا ہے جو گلے کی بھولی بھٹکی بھیڑوں کو مالک کی آغوش میں لا ڈالے گا۔
 یہی آواز ورقہ کا دل بھی سن چکا تھا، اور جب کچھ سرے کے بعد یہ دونوں بازار
 میں ایک دوسرے سے ملے تو اس نابینا عالم نے جس نے یہود و نصاریٰ کے
 تمام صحائف اطمینان کی جستجو میں بے فائدہ چھان مارے تھے، لیکن جو اس وعدہ
 کو جانتا جو بنی نوع انسان کے ساتھ ایک نجات دہندہ کے لئے کیا گیا تھا،
 اپنے ایمان کو اس طرح ظاہر کیا کہ میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس
 کے قبضے میں ورقہ کی جان ہے، خدا نے تمہیں ان لوگوں میں سے پیغمبری کے
 لئے چن لیا ہے۔ تم پر ناموس الاکبر نازل ہو رہا ہے۔ لوگ تمہیں جھوٹا کہیں گے۔
 تمہیں تکلیفیں پہنچائیں گے۔ تمہیں جلا وطن کرینگے اور تمہارے ساتھ جنگ کیگے کاش! میں اس وقت
 تک نہ رہتا اور تمہارے جنگ کا پھر نہ آئی۔ اپنی پیشانی کو چوم لیا۔ ان امید افزا کلمات نے

آپ کی بیقرار روح کو تسکین دی اور کچھ عرصہ تک آپ اس آواز کے سننے کے لئے پھر ایک بیقرار دل کے ساتھ انتظار فرماتے رہے۔ اُن روحانی اذیتوں اور شبہات کا اور اُمید و یاس کی اس دماغی کشمکش کا جو باری باری سے آپ کے دل کو ایذا دیتے، کچھ اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اپنی رسالت کا پوری طرح یقین ہونے سے پہلے آپ خود کشی پر آمادہ ہو گئے تھے حتیٰ کہ فرشتہ نے آپ کو اس فرض کی طرف متوجہ کیا جو بنی آدم کی طرف سے آپ پر عائد ہونا تھا۔ اور شبہات و خوف سے دکھے ہوئے اس دل کو تھین اور اُمید کی ایک چمک دکھائی اور وہ روشن مستقبل دکھایا جب آپ تمام دُنیا کو ایک سچے دین کے گرد جمع ہوتے دیکھنے والے تھے۔ اس تبارت نے آپ کو بچا لیا۔ چنانچہ آپ اپنے ضعیف دل اور ناتواں جسم کے ساتھ صحرا سے بھاگتے ہوئے اپنی جاں نثار بیوی کے پاس پہنچے اور کہنے لگے ”مجھے چھپالو، مجھے چھپالو“

✓ آپ کا خدا کے ساتھ تعلق ان خود غرض لوگوں کی طرح نہ تھا جو اپنے آپ کو صحراؤں اور جنگلوں میں چھپائے پھرتے ہیں۔ اور صرف اپنے نفس کے لئے گوشہ نشینی اور امن کی زندگی اختیار کرتے ہیں بلکہ آپ کے سامنے ایک عظیم الشان تہم نئی۔ آپ بنی نوع انسان کو بت پرستی کی زنجیروں سے آزاد کرنے والے تھے۔ ایک دن جب آپ محبت کے عالم میں اُداس اور تنگ بین بیٹے ہوئے تھے تو آپ کو آسمان سے ایک آواز نے پکارا۔ اسی طرح جس طرح آپ پہلے لوگوں کو پکارا گیا تھا۔ اسی پیہر رُوح کی ہیبت سے چاد

لیٹے ہوئے کھڑے ہو) اٹھو اور لوگوں کو (عذابِ خدا سے) ڈراؤ، اور اپنے
 پروردگار کی بڑائیاں بیان کرو۔ آپ اٹھے اور اس کام کے لئے کمر باندھ لی
 جس کے لئے آپ کو بلایا گیا تھا۔ اور اس کے بعد آپ کی زندگی کا ہر لمحہ بنی
 نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو گیا۔ آپ نہایت ثابت قدمی سے
 ایندائیں سینے رہے۔ تحقیر و توہین کے ستم اٹھاتے رہے۔ مگر اصلاح و درستی
 کے راستے سے ایک قدم نہ ہٹے۔ خدیجہؓ سب سے پہلی ہستی ہیں جنہوں نے
 آپ کا پیغام قبول کیا۔ بہت پرستی کو چھوڑا اور آپ کے ساتھ شامل ہو کر رحمت و
 رحیم خدا کے حضور میں سجدہ ریز ہوئیں۔ خدیجہؓ نہ صرف آپ پر اور آپ کے
 ایندہی پیغام لانے والی بلکہ آئندہ جد و جہد میں آپ کی سچی و مساندہ تھیں اور
 روایت کہتی ہے: ”جب آپؐ دل شکستہ ہو کر گھر آتے تو خدا انہیں کے ذریعہ
 آپ کو تسلی دیتا۔ وہ آپ کی ہمت بندھائیں۔ آپ کے بوجھ کو آپ کے لئے
 ہلکا کر دیتیں۔ آپ کو اپنے ایمان کا یقین دلاتیں اور بتائیں کہ لوگوں کی بہبود
 بابت کس قدر بے وقت ہیں۔“

حضور شروع شروع میں صرف اپنے اقربا پر اپنے خیالات ظاہر
 کرتے رہے اور انہیں اپنے آبا و اجداد کی تقلید سے باز رکھنے
 کی کوشش کرتے رہے۔ خدیجہؓ کے بعد علیؓ آپ کے پیرو ہوئے۔
 آنحضرتؐ اکثر خدیجہؓ اور علیؓ کو لے کر دور صحرا کی خاموشیوں میں چلے جاتے
 تاکہ بل کر رب العالمین کی بے شمار نعمتوں کے لئے اپنے دلی جذباتِ شکر
 پیش کریں۔ ایک دفعہ جب کہ یہ تینوں نماز میں مشغول تھے، ابو طالب چانک

آنکے اور کہا: "اے بھتیجے! یہ کونسا مذہب ہے جس کی تم پیروی کرتے ہو؟"

آنحضرتؐ نے جواب دیا: "یہ اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے پیغمبروں کا اور ہمارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب ہے۔ خدا نے مجھے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں اُن کو صراطِ مستقیم دکھاؤں۔ اور آپ اُسے چچان میں سے قابل ترین ہستی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ میں آپ کو یہ پیغام دوں۔ اور یہ ضروری ہے کہ آپ سچائی کو قبول کریں، اور اس کے پھیلاسنے میں مدد دیں۔" ابوطالب نے ایک قوی اور مضبوط قدیم سامی کے حقیقی جوش کے ساتھ جواب دیا۔ "میرے بھتیجے! میں اپنے آباؤ اجداد کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن قسم ہے خدا کے تعالیٰ کی جب تک میں زندہ ہوں کوئی شخص تجھے دکھ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔" پھر اپنے بیٹے علیؑ سے مخاطب ہو کر اس معزز رئیس خاندان نے پوچھا کہ وہ کس مذہب میں ہے۔ انہوں نے فرمایا "میرے باپ! میں خدا پر اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لے آیا ہوں اور اسی کی پیروی کرتا ہوں۔" ابوطالب نے کہا: "میرے بیٹے! وہ تجھے کسی طرف نہیں بٹائے گا مگر نیکی کی طرف۔ اس لئے تم اس کی پیروی کرنے کے لئے آزاد ہو۔"

اس کے مقررہ ابھی عرصہ بعد زید بن حارث ایمان لائے جنہوں نے باوجود آزاد ہو جانے کے آنحضرتؐ کا ساتھ نہ چھوڑا تھا اور ان کے بعد ایک معزز قریشی عبداللہ بن ابوقحافہ جو بعد میں ابوبکرؓ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ قبیلہ تیم بن مرہ کے ایک ممتاز فرد اور دولت مند تاجر تھے۔

آپ نہایت معقول پسند، متین، دانا، ایماندار اور ہر دلعزیز انسان تھے اور اپنے ہم عصروں میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جلتے تھے۔ آپ رسول اللہ سے صرف دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کے بلا تامل ایمان لانے سے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ پانچ اور معززین نے آپ کی پیروی کی قبیلہ بنی امیہ میں سے عثمان بن عفان جو بعد میں خلیفہ سوم ہوئے۔ عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص جن کے ہاتھوں ایران فتح ہوا۔ اور زبیر بن عوام خدیجہؓ کے بھتیجے نے رسول اللہ کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور پھر طبقہ ادنیٰ کے کئی افراد داخل اسلام ہوئے۔ تاریخ رسول عربی میں یہ ایک زریں باب ہے۔ ایسا باب جو آپ کی صداقت شعا دی، آپ کی تعلیمات کی بدرجہ غایت پاکیزگی اور خدائے تعالیٰ پر آپ کے غیر معمولی ایمان و یقین پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ کی رسالت کی حقانیت کو قبول کرنے والے اور وحی و الہام پر یقین کرنے والے قریبی رشتہ دار اور گہرے دوست تھے۔ وہ لوگ جو ہر وقت آپ کے پاس رہتے تھے آپ کی زندگی کے ایک ایک لمحے سے واقف تھے۔ وہی آپ کے صادق اور وفادار ترین پیرو تھے۔ اگر ان لوگوں کو جو بہادر اور عاقل تھے۔ اور جو یقیناً گلیل کے ماہی گیروں سے زیادہ تعلیم یافتہ تھے، نفسانیت یا دھوکے کا شائبہ تک نظر آجاتا یا اگر وہ رسول اللہ کے ایمان کو ذرا بھی کمزور پاتے تو ایک لمحے میں آپ کی تمام اخلاقی اور معاشرتی اصلاحات کی امیدوں کو خاک میں ملا دیتے۔ ان لوگوں نے آپ کے لئے ظلم و جور سے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا

جسمانی لذتیں برداشت کیں۔ اور معاشرتی تعلقات کے انقطاع کی تکالیف اٹھائیں۔ یہاں تک کہ اپنی جانیں قربان کر دیں۔

تین طویل سالوں کے عرصہ تک آپ اپنی قوم کو بت پرستی سے باز رکھنے کے لئے نہایت خاموشی سے مصروف رہے۔ لیکن بت پرستی کی جڑیں نہایت گہری گڑی ہوئی تھیں۔ اور پُرانے مذہب میں جو دلکشیال ان کے پیش نظر تھیں، وہ نئے پاکیزہ مذہب میں کہیں نظر نہ آتی تھیں۔ یہاں طریقہ عبادت قریش کے لئے فائدہ مند تھا۔ اور ان کی شہرت و عزت کا تمام تر انحصار اسے قائم رکھنے پر تھا۔ رسول اللہ کو نہ صرف جمہور کی بت پرستی سے مقابلہ کرنا پڑا جو صدیوں سے رسم و رواج اور توہم میں مبتلا چلا آتا تھا، بلکہ ان امراء حکومت سے بھی جو شہر کی قسمتوں کے مالک تھے، اور جو اپنی رعایا کی طرح کفر اور توہم پرستی میں مبتلا تھے برسر آنا پڑا۔ ان متخاصم قوتوں کی موجودگی میں حیرانی کی بات نہیں ہے کہ یہ حبانبارانہ کوششیں صرف تیس پیرو بنا سکیں۔ لیکن اس عظیم الشان معلّم نے بہت نہ ہاری۔ وہ اپنے قادر مطلق آقا پر بھروسہ کئے ہوئے جس کے احکام کی تعمیل وہ کر رہا تھا، اپنی جگہ پر سختی سے کھڑا ہوا۔ اب تک رسول اللہ نہایت خاموشی سے اور بلا اصرار تبلیغ کرتے تھے۔ آپ کے ہم عصر حیرانی سے آپ کی طرف دیکھتے تھے۔ اب انہیں الٰہیوں کی صحت عقل پر شبہ ہونے لگا تھا۔ وہ آپ کو خبطی اور مجنوں سمجھنے لگے تھے۔ لیکن ابھی کسی نے آپ کی تبلیغ میں رکاوٹ نہ ڈالی تھی۔ اب آنحضرتؐ نے تہیہ کر لیا کہ آپ

قریش کو بیت پرستی چھوڑنے کے لئے ایک دعوت عمومی دیں گے۔ اسی خیال سے آپ نے کوہ صفا پر ایک مجمع کو بلایا۔ انہیں اپنے گناہوں کی طرف توجہ دلائی، اور انہیں بتایا کہ ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں کو پوجنا کیسی غلطی ہے۔ انہیں ان قوموں کے عبرت ناک حالات سنائے جنہوں نے اپنے رسولوں کی بات نہ سنی تھی۔ انہیں اپنی قدیم تاپاک عبادت چھوڑنے اور اس محبت، پاکیزگی اور صداقت کے مذہب کو قبول کرنے کی دعوت دی لیکن تمسخر اڑانے والوں نے آپ کے الفاظ کا تمسخر اڑایا۔ نوجوان علیؑ کے جوش کو دیکھ کر ہنسے اور تضحیک سے ملامت کرتے ہوئے چلائے۔ مگر تاہم اس انقلاب آفرین روح کے خوف سے جو انہیں کے درمیان سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ان کے دل لرز رہے تھے۔ اس طرح آپ آسمانی تنبیہ کو قریش تک پہنچانے میں ناکام رہے۔ اب آپ نے اپنی توجہ ان نوواردوں کی طرف منتقل کی جو مکہ میں تجارت یا حج کی غرض سے آتے تھے۔ اور خدا کا پیغام ان تک پہنچانے کی کوشش کی۔ لیکن یہاں بھی قریش نے آپ کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ جب حجاج شہر میں وارد ہونے شروع ہوئے تو قریش نے مختلف راستوں پر اپنے آدمی متعین کر دیئے جو تمام نوواردوں سے کہہ دیتے کہ محمدؐ سے کوئی کسی قسم کی گفتگو نہ کرے۔ کیونکہ وہ نہایت خطرناک جادوگر ہے۔ لیکن اس سازش کے نتائج قریش کی امیدوں کے بالکل خلاف نکلے۔ کیونکہ جب حجاج اور تاجر اپنے گھروں کو واپس

گئے۔ تو اس عجیب اور جوشیلے ناصح کی بعثت کی خبر تمام علاقوں میں پھیل گئی جو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر عرب کی تمام قوموں کو ان کے باوجود اپنا کی مروت و عبادت سے منع کر رہا تھا۔

قریش اس زعم میں تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آپ کے اعزہ و اقربا چھوڑ دیں گے۔ لیکن ابوطالب کی ایک غضب ناک ملامت نے ان کے ہوش بجا کر دیئے۔ یہ معمر بزرگ جس نے مخصوص ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنے قدیم مذہب کو چھوڑنے اور نئے کو اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس مصلح کے متعلق اپنے ہم عصروں کی بے انصافی اور تعصب کو دیکھ کر ٹپ اٹھا۔ اور سچی صحرائی دلیری سے کام لے کر ایک قہیدہ لکھا جو ابھی تک تاریخ میں محفوظ چلا آتا ہے۔ اس میں قریش کی ان بے باقیوں پر ملامت کی جو وہ اس شخص پر کرتے ہیں جو یتیموں اور یتیموں کی خبر گیری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کبھی اپنے قول و فعل میں جھوٹا نہیں نکلا۔ اور آخر میں اعلان کیا کہ ہاشم اور مطلب کی اولاد کا بچہ بچہ اس معصوم کی حفاظت پر اپنی جان قربان کر دے گا انہیں دنوں ایک شیرنی رئیس نے قریش کی طرف ایک خط لکھا۔ اور ازمنہ گزشتہ کی مثالیں دے کر سمجھایا کہ وہ غنائی جنگیوں اور لڑائیوں میں پڑ کر اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالیں انہیں مشورہ دیا کہ وہ اس نئے مبلغ کی باتیں سنیں۔ ایک معزز آدمی نے ایک خاص مذہب اختیار کیا ہے۔ تم کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہو؟ بھلا سوائے اس علامہ الیوس کے کون انسان کے دل کی بات جان سکتا ہے؟

اس کے مشورہ نے قریش پر کچھ ضرور کیا، اور ان کا طرزِ عمل کچھ تبدیل ہو گیا۔
 لیکن کچھ مدت کے بعد الزام و تذلیل اور گستاخیوں اور معمولی حملوں کی بجائے
 کھلم کھلا اور جان لیوا حملے ہونے لگے۔ دشمنوں نے آنحضرتؐ کو کعبہ
 میں نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ اور جہاں بھی آپ جاتے وہاں آپ
 کا بیچھا کرتے۔ آپ اور آپ کے متبعین کو نماز کی حالت میں کچھ اور گندگی
 سے بھر دیتے نچوٹ اور شہر کے اوباشوں کو آپ کی تذلیل کے لئے پیچھے لگا
 دیتے۔ جن راستوں سے آپ اکثر گزرتے ان پر کانٹے بکھیر دیتے۔ ان ظلم
 و جور کے کاموں میں آنحضرتؐ کے چچا ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل سب میں
 پیش پیش ہوتی۔ اور ان ظالموں میں سے سب سے زیادہ جوش کا اظہار کرتی۔
 ہر وہ جگہ جہاں سے آنحضرتؐ یا آپ کے پیروں کا اکثر گزر ہوتا، کانٹوں سے
 بھر دیتی۔ اس کے اس خبیثانہ طرزِ عمل کے باعث اس کے لئے ابنِ مرسلہ
 اُٹھانے والی "کالقب نازل ہوا۔"

ان تمام آزمائشوں میں محمد صلعم کا پائے ثبات کبھی نہ ڈگمگایا۔ اپنی
 رسالت پر پورے یقین کے ساتھ آپ نہایت استقلال سے اپنا کام کرتے
 رہے۔ کئی مرتبہ قریش کے ہاتھوں آپ کی جان سخت خطرے میں پڑ
 گئی۔ ایک دفعہ آپ نے ان کے قاتلانہ جوش کو صرف اپنی طبیعت کی نرمی
 اور ضبط و تحمل سے روکا۔ لیکن اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ظلم و جور
 میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ "شہدا کا خون مذہب کا بیج ہوتا ہے" یہ مقولہ

لہ حمالة الخطب

کسی خاص مذہب کے لئے مخصوص نہیں۔ محمد صلعم پر قریش کی سختیاں اور نصیب
 دشمنی کو دیکھ کر بہادر حمزہؓ بہت متاثر ہوئے۔ آپ عبدالمطلب کے سب سے
 چھوٹے فرزند تھے۔ یہ جانباز، بہادر، نیک اور سچا سپاہی جس کی شمشیر
 غار اشکاف سے تمام قریش لڑتے تھے۔ انہی دلوں آنحضرتؐ کے پاس
 حاضر ہو کر آپؐ پر ایمان لایا۔ اور اس وقت سے لے کر اسلام کا سچا
 رفیق بن گیا۔ اور آئندہ زمانہ میں اس پر اپنی جان قربان کر دی۔

اس تمام ظلم و جور کے زمانہ میں آنحضرتؐ اپنی گناہوں میں جکڑی
 ہوئی قوم کو معصیت و مکروہات سے باز رکھنے میں کبھی نہ رُکے۔ آپؐ دل و
 جان سے تبلیغ میں مشغول رہے۔ خدا تعالیٰ کے عذاب کے متعلق آپؐ
 کے الفاظ شعلوں کی طرح نکلتے اور سننے والوں کے دلوں میں اُتر جاتے
 آپؐ انہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے جنہوں نے خدا کی تنبیہ پر کان نہ دھریا
 اور انہیں ایک دردناک عذاب نے آلیا، اور بتائے کہ قوم نوحؑ کی بد افخالیوں
 پہ کس طرح غضب الہی نازل ہوا۔ آپؐ انہیں قدرت کے بے نظیر
 نظاروں، دوپہر کی چمک اور رات کی جیب، وہ اپنا سیاہ پردہ پھیلا دیتی
 ہے۔ اور دن کی جیب وہ اپنے شکوہ و جلال کے ساکھ ظاہر ہوتا ہے
 قسمیں دیتے اور کہتے کہ خدا کا پیغام سنو، قبل اس سے کہ تمہیں فایا
 ہی کوئی عذاب نازل ہو کر فنا کر ڈالے۔ آپؐ انہیں یوم الحساب سے
 ڈراتے۔ جیب انسان کے اعمال اس، ازلی متصف کے روبرو وزن کئے
 جائیں گے۔ جب ان پتوں کی نسبت ہو زندہ دفن کئے گئے تھے پوچھا

جائے گا کہ انہیں کس جرم کی پاداش میں مارا گیا اور زمین اور آسمان کو لپیٹ
 لیا جائے گا۔ اور خدا کے سوا کوئی نزدیک نہ ہوگا۔ آپ عفتی کی جزا و سزا
 کا بیان کرتے اور ان مادہ پرست لوگوں کے سامنے بہشت کی مسترتوں اور
 دوزخ کی عقوبتوں کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیتے۔ آپ انہیں بتاتے کہ منکرین
 کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اندھیری رات میں ایک مجمع کے درمیان
 آگ جلائے اور جب ان کے ارد گرد کی تمام چیزیں چمک اٹھیں تو خدا
 روشنی کو سلب کر لے اور انہیں اندھیرے میں چھوڑ دے۔ پھر وہ کچھ نہیں
 دیکھ سکتے۔

”وہ ہرے گونگے اور اندھے ہیں، اور کسی طرح راہ راست پر
 نہیں آسکتے۔“ ”یا وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جنہیں تاریک بادلوں کا
 ایک مہمیت ناک طوفان آگھیرے، وہ موت کے خوف سے رعد کی کڑک
 سن کر اپنے کالوں میں انگلیاں مٹونس لیتے ہیں لیکن کفار خدا کی گرفت سے
 نہیں چھوٹ سکتے۔“

”بھلی ان کی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے۔ جب وہ چمکتی ہے تو
 اس کی روشنی میں چلتے ہیں اور تاریکی چھا جاتی ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اگر
 اللہ چاہے تو یقیناً ان کو شتوائی اور بینائی سے محروم کر سکتا ہے۔ بیشک
 اللہ ہر بات پر قادر ہے۔“

”کفار کے اعمال سراب کی طرح ہیں جیسے پیاسا مسافر دور سے

پانی سمجھتا ہے اور جب قریب جاتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا لیکن وہ خدا کو ہر سمت موجود پاتا ہے۔ اور وہ اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دینے والا ہے اور بے شک خدا بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔“

”یا رکفار کے اعمال، اس تاریکی کی طرح ہیں جو عمیق سمندر پر پھیلی ہوئی ہو۔ موجوں پر موجیں سوار چلی جاتی ہوں، اور ان پر تار یکساں دل نہ بہ نہ چھائے ہوئے ہوں۔ ایسی تاریکی کہ اگر انسان ہاتھ پھیلائے تو اسے نہ دیکھ سکے۔ جسے اللہ نورِ ہدایت عطا نہ کرے اسے کون نور عطا کر سکتا ہے۔“

ان بیانات نے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا، اور بہت سے مسلمان ہو گئے قریش کو اندیشہ ہوا کہ آنحضرتؐ کی تبلیغ ایک خطرناک انقلاب کی صورت اختیار کر رہی ہے۔ اُن کی عظمت و شہرت خطرہ میں تھی۔ وہ اُن نبیوں کے محافظ تھے جنہیں آپؐ فنا کر دینا چاہتے تھے۔ وہ اس عبادت کے علم بردار تھے جسے آنحضرتؐ بُرا کہتے تھے یہاں تک کہ اُن کی اپنی ہستی پر اس نے ضابطہ کو قائم رکھنے پر منحصر تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر آنحضرتؐ کی پیشگوئیاں پوری ہو گئیں تو قبائل عرب میں ان کا نفوذ مٹ جائے گا۔ نئے رسول کا طرز عمل بدرجہ غایت جہوری تھا۔ اس کے خدا کی زنجیروں میں تمام انسان برابر تھے۔ ان شخصی امتیازات کا مٹ جانا ان کی روایات کے منافی تھا۔ وہ مساوات کو برداشت نہ کر سکتے تھے کیونکہ یہ اُن کو امتیازی حقوق سے محروم کرنے والی

تھی۔ اس سے پہلے کہ یہ تحریک زیادہ زور پکڑ جائے اسے کچلنے کے لئے سخت تر وسائل اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔

اب انہوں نے ایدارسانی کا ایک منظم طریقہ اختیار کیا۔ ہر قبیلے نے اپنے حلقہ اثر کے اندر نئے مذہب کو کچلنا شروع کیا تاکہ قانون انتقام کی نعلی ورنہ نہ ہونے پائے۔ ہر گھرانہ اپنے اُن افراد خاندان ملازمین یا غلاموں کو اذیت دیتا جن کے متعلق مسلمان ہو جانے کا خیال ہوتا۔ آنحضرت جنہیں ابوطالب کی حمایت حاصل تھی، حضرت ابوبکر رضہ اور چند دوسرے مسلمان جو یا تو خود بلند مرتبہ تھے یا کسی محترز قریش کی حمایت میں تھے، دشمنوں کی ایدارسانی سے محفوظ رہے۔ لیکن دوسروں کو قید، فاقہ کشی اور جسمانی سزاؤں کی آماجگاہ بنایا گیا۔ رمضان کی پہاڑی اور بطحا و عتوبت زار تھے، پہاڑ یہ ظالمانہ کاروائیاں محل میں آتی تھیں۔ وہ مرد یا عورتیں جو بت پرستی ترک کر دیتے، صحرا کی جلا دینے والی گرمی میں جھلستی ہوئی نہایت پر ڈال دیئے جاتے۔ جب وہ پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہو جاتے۔ تو انہیں بت پرستی یا موت پیش کی جاتی۔ بعض آدمی ان عتوبتوں سے بچنے کے لئے اقرار کر لیتے۔ لیکن پھر فوراً ہی جا کر اپنے دین کی تجدید کر لیتے۔ لیکن ان میں اکثر و بیشتر وہ لوگ تھے جو نہایت استقلال سے اپنی بات پر قائم رہتے۔ انہی لوگوں میں اسلام کے پہلے مؤذن بلال رضہ تھے۔ ان کا مالک امیہ بن خلف ہر روز انہیں دوپہر کے وقت بطحا میں لے جاتا۔ تنگی پیٹھ پر انہیں سولج کی طرف منہ کر کے لٹا دیتا اور سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ کر کہتا یہ تم اسی

حال میں رہو گے جب تک ہتھاری جان نہ نکل جائے یا تم اسلام سے توبہ نہ
 کرو۔ لیکن بلالؓ اس بھاری بوجھ کے نیچے نیم جان پڑے ہوئے ایسے پیسے
 اور خشک ہونٹوں سے اٹھا اٹھ کے سوا کوئی جواب نہ دیتے۔ کئی روز تک
 یہی عمل ہوتا رہا۔ اور یہ مظلوم موت کے کنارے تک پہنچ چکے تھے کہ حضرت
 ابو بکرؓ نے انہیں خرید لیا۔ آپ اس سے قبل بھی ایسے چھ غلام آزاد کرا
 چکے تھے۔ یا سہرا اور ان کی بیوی سمیٹہ کو ایسے ہی دردناک عذابوں سے مار
 ڈالا گیا۔ اور ان کے بیٹے غرار کو نہایت خوفناک ایذا میں دی گئیں۔ آنحضرتؐ
 نے اکثر اپنے متبعین کی ان تکالیف کا عینی مشاہدہ کیا۔ وہ تکالیف جو ایسے
 صبر و تحمل سے برداشت کی گئیں، جو ان سچائی کے راستے میں شہید ہونے
 والوں کو زیب دیتی تھیں، اسلام کی ابتدائی تاریخ ان شہداء کے ذکر سے
 بھری پڑی ہے۔

قریش اکثر آنحضرت کے پاس جا و حشمت کی تحریض لے کر انہیں
 جادہ فرسی کے بھٹکانے کے لئے آتے۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ ایک دن آپ
 کعبہ میں مخالف رؤسا کے گرد سے الگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان میں
 سے ایک آدمی عتیبہ بن ربیعہ آپ کے پاس آیا اور کہا: اے میرے بھائی کے

نہ خبیث بن عدی جنہیں دعوت کے سے قابو کر کے قریش کے پاس فروخت کیا گیا تھا، ان کے جسم سے
 بحالت زندگی نہایت وحشیانہ طریق پر گوشت کے ٹکڑے کاٹے جا رہے تھے کہ کسی شخص نے کہا۔
 خبیث! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری بجائے مجھ کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے۔ آپ نے جواب دیا میں
 اپنا مال دولت اور ہونٹوں میں اس شرط پر بھی بچانا پسند نہیں کرتا کہ مجھ کو ایک کانٹا بھی چھو یا جائے۔

بیٹے تو ہم میں اپنے حسب و نسب اور خوبیوں کی وجہ سے ممتاز ہے۔ لیکن
 اب تو نہ ہمارے درمیان افتراق کا بیج بویا ہے۔ ہمارے گھروں میں
 ناچاقیاں پیدا کر دی ہیں۔ تو ہمارے دیوتاؤں اور دیویوں کو برا کہتا ہے۔ اور
 ہمارے آبا و اجداد کو ناپاکی کا الزام دیتا ہے۔ ہم تیرے سامنے ایک تجویز
 پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تو اس کو قبول کرے تو اس میں تیری ہی بھلائی
 ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ”کہو ابو ولید! میں سن رہا ہوں“ غنہ نے کہا۔
 اگر تو اپنے اس طرز عمل سے دولت پیدا کرنا چاہتا ہے تو ہم تجھے اتنی
 دولت جمع کر دیتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کے پاس اتنی نہ ہوگی۔ اگر تو
 شوکت و حشمت کا طلبگار ہے تو ہم تجھے اپنا سردار بنانے کو تیار ہیں اور
 تیرے حکم کے بغیر کوئی بات نہ کریں گے۔ اگر تو مملکت کا خواہشمند ہے
 تو ہم تجھے اپنا بادشاہ بنائیں گے۔ اور اگر تجھ پر کسی سایہ کا اثر ہے تو ہم
 قابل ترین حکماء کو بلائیں گے اور انہیں اُس وقت تک مال و دولت
 دیتے رہیں گے جب تک وہ تجھے پوری طرح صحت یاب نہ کر دیں اور جب
 وہ چپ ہو تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ”اے ابو ولید! کیا تم اپنی بات ختم کر چکے“
 اس نے کہا ”ہاں!“ آپؐ نے فرمایا۔ ”تو سنو“ میں شروع کرتا ہوں اللہ
 کے نام سے جو رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ یہ کتاب خدائے رحمن
 نے نازل فرمائی ہے اس کی آیات عربی میں ہیں جو صاف طور پر تمہاری سمجھ
 میں آسکتی ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لئے ہدایات ہیں جو سمجھنے کی اہلیت
 رکھتے ہیں۔ اس میں نشان دہی ہیں اور عذاب کے وعید ہیں۔ لیکن لوگوں میں

سے اکثر منہ پھیر لیتے ہیں اور اس پر کان نہیں دھرتے اور کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہمارے کان بھر سے ہیں، اور تیرے اور ہمارے درمیان ایک پردہ ہے۔ اس لئے جیسا تو بہتر سمجھتا ہے ویسا ہی کہے جا، اور ہم اپنے ہی خیالات کے مطابق عمل کریں گے۔ لیکن میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں مگر مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف وہی ایک خدا ہے۔ اس لئے سینہ سے اس کی طرف جاؤ اور اس سے اپنے افعال کی معافی مانگو، اور افسوس ہے مشرکوں پر جو خیرات نہیں دیتے اور عقیقی پر ایمان نہیں رکھتے۔ البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ جیسا آپ ختم کر چکے تو فرمایا: "اے عتبہ! تم سن چکے اب جو راستہ تمہیں بہتر معلوم ہوتا ہے وہ اختیار کر لو۔"

آپ کو اپنے متبعین کی تکالیف دیکھ دیکھ کر بہت صدمہ ہوتا جو وقت کے ساتھ ساتھ سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھیں۔ اس لئے آپ نے ان کو ہدایت کی کہ وہ حبشہ کی ایک عیسائی سلطنت میں جہاں ایک نیکسل بادشاہ حکومت کرنا تھا۔ اس وقت تک پناہ لیں حبشہ تک کہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قریش کے خیالات کو تبدیل نہ کر دے۔ آپ نے سنا تھا کہ یہ نصف مزاج عیسائی حکمران نہایت بے تعصب اور مہمان نواز ہے اور آپ کو امید تھی کہ وہ یقیناً آپ کے پیروؤں سے مدارات سے پیش آئے گا۔

اس تجویز پر فوراً عمل کیا گیا اور قریباً پندرہ آدمی نجاشی کے ملک کو ہجرت کر گئے۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلی ہجرت کہلاتی ہے جو بخت نبوت کے پانچویں سال ۶۱۵ء میں عمل میں آئی۔ وقتاً فوقتاً ان کے دوسرے مطالبہ بھائی بھی ان سے جا ملے یہاں تک کہ کل تعداد ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتوں تک پہنچ گئی۔ لیکن قریش کی عداوت و خصومت نے یہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا وہ اپنے شکار کے ہاتھوں سے نکل جانے پر غضبناک ہو گئے۔ اور ایک وفد نجاشی کے پاس بھیج کر اپنے باغیوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا تاکہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ ان مفروضہ پر اہم ترین الزامات اپنے پرانے مذہب کو ترک کرنا، اور نئے مذہب کو اختیار کرنا تھے۔ نجاشی نے تمام مہاجرین کو اپنے دربار میں بلایا اور پوچھا: کیا تمہارے دشمنوں کے بیانات صحیح ہیں اور وہ کون سا مذہب ہے جس کے لئے تم نے اپنا پہلا مذہب چھوڑ دیا ہے۔ اور نہ میرا مذہب اختیار کیا ہے اور نہ کسی اور قوم کا۔“

جعفر بن ابوطالب جو مہاجرین کی نمائندگی کر رہے تھے، اس طرح گویا ہوئے:۔ عایو ہا! ہم لوگ جہل و بربریت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم بنوں کو پوجتے تھے، ہم نفس پرست تھے۔ ہم مردار کھاتے تھے، ہم فحش گو تھے۔ انسانیت کے تمام احساسات ہم میں سے مفقود ہو چکے تھے۔ عہان نیازی اور ہمسایگی کے تمام حقوق ہم بھلا چکے تھے، ہم سوائے قتل کے اور کسی قانون کو نہ جانتے تھے، کہ خدا نے تعالیٰ نے ہم میں سے

ایک انسان پیدا کیا جس کے حسب و نسب، راست گوئی، ایمان داری اور پاکیزگی سے ہم واقف ہیں۔ اُس نے ہمیں خدا کی وحدانیت کی طرف بلا یا اور بتایا کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں۔ اُس نے ہمیں بُت پرستی سے منع کیا۔ ہمیں سچائی، ایمان داری، رحم اور حق، ہمسایہ ادا کرنے کی تلقین کی۔ اس نے ہمیں غورتوں کو بُرا کہنے سے اور یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں بدیوں اور گناہوں سے بچنے کا نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ اس کی تعلیمات کو قبول کیا۔ ہم خدا کی پرستش کرتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھراتے۔ یہی وجہ ہیں جن کی بنا پر ہماری قوم کے لوگ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں ظلم و جور کا نشانہ بناتے ہیں، اور ایک خدا کی پرستش سے پھیر کر فکڑی، پتھر کے بتوں کی پرستش اور کفر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں یہاں تک عذاب و ذلت میں مبتلا کیا کہ ہم تنگ آ کر تیری سلطنت میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں اور ہمیں اُمید رہنے کہ تو ہمیں اُن کے ظلم سے بچائے گا۔

قریش کے مطالبات رد کر دیئے گئے۔ اور وہ ناکام و نامراد مکہ کو واپس چلے گئے۔

جس زمانہ میں آنحضرتؐ کے پیروں و سرے ممالک میں اپنے دشمنوں سے پناہ تلاش کر رہے تھے، آنحضرتؐ خود تمام مصائبِ اَلَام میں نہایت استقلال سے رسالت کے فرائض انجام دیتے رہے قریش

ایک دفعہ پھر عزت و دولت کے مواعید کے ساتھ آئے۔ لیکن آپ نے
 ویسا ہی پُر از ایمان و یقین جواب دے کر انہیں پھیر دیا۔ "میں دولت
 و عزت اور سلطنت کا خواہش مند نہیں ہوں میں خدائے تعالیٰ کا
 فرستادہ ہوا جس نے مجھے بشارتوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں تمہیں خدا کا کلام
 سناتا ہوں، اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اگر تم نے میرا لایا ہوا پیغام
 قبول کر لیا۔ تو خدا دُنیا اور آخرت میں تمہارا بھلا کرے گا۔ اور اگر تم نے
 اُسے قبول نہ کیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ خدا میرے اور تمہارے
 درمیان فیصلہ کر دے۔" قریش نے ان باتوں کو تضحیک و تمسخر میں اُڑا دیا
 اور عیارانہ مطالبات سے آپ کی تعلیم کا بطلان کرنا چاہا لیکن آپ کا تو
 کل و ایمان ان کے تمام مادہ پرستانہ کفر پر غالب رہا۔ وہ آپ سے کہتے
 کہ صحرا میں چشمے اور دریا بہا دو۔ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین پر
 گراؤ۔ پہاڑیوں کو اپنی جگہ سے سرکا دو۔ ایک سونے کا گھر تعمیر کر دیا ایک
 سیر بھی کے ذریعہ آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ۔ یہ لوگ ایک پُرانے قصے کو دہرا
 رہے تھے، فرق صرف اس قدر تھا کہ حضرت عیسیٰ کے اپنے حواری
 آپ کو معجزہ دکھانے پر مجبور کرتے تھے۔ تاکہ انہیں ان کی رسالت کا یقین
 آئے۔ پروفیسر مومری لکھتے ہیں: "حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے آپ کو
 اور آپ کے کام کو کبھی نہ سمجھا۔ وہ آسمان سے آگ برسانے کی فرمائش کرتے
 ان سے یہودیوں کا بادشاہ ہونے کا اعلان کرانا چاہتے۔ کوئی ان کے تخت
 کے دائیں طرف اور کوئی بائیں طرف بیٹھے کی خواہش کرتا۔ اور کوئی آسمانی

باپ (خدا) کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا۔ ہر بات جو آپ کے مطلع نظر کے خلاف ہوتی یا تو خود کرنا چاہتے یا ان سے کرنا چاہتے تھے یہی سلوک وہ اُس وقت تک کرتے رہے اور حیب انجام آن پہنچا تو سب آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔“

ان مذہب اور غیر مطمئن لوگوں کو جو عجائبات کی خواہش میں قریش سے کسی طرح کم نہ تھے اور جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی متبرک ہستی کو ایک ایسے پردے میں چھپا دیا ہے کہ موجودہ مادہ پرست عیسائیت بھی اسے پہچان نہیں سکتی، آپ (مسیح علیہ السلام) بعض اوقات غصے میں بدکار لوگوں کو کہا کرتے تھے کہ جو معجزات ڈھونڈتے اور چاہتے ہیں انہیں کوئی معجزہ نہ دکھایا جائے گا۔ کیونکہ جو لوگ حضرت موسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں پر ایمان نہیں لاتے ان کے سامنے اگر مردے کو بھی جلایا جائے گا تو وہ تو بہ نہیں کریں گے۔

رسول عربی کے متبعین میں ایک یہ بھی فوجیت تھی کہ انہوں نے کبھی اپنے آقا سے معجزات کی فرمائش نہیں کی۔ وہ عالم تاجر اور سپاہی آپ کی تعلیمات کے خلاق پہلوؤں پر نظر رکھتے تھے۔ وہ اپنے بے یار و مددگار رسول کے گرد جمع ہو گئے اور اپنے تمام دنیاوی مفاد اور دنیاوی امیدوں کو قربان کر دیا۔ وہ آپ کے ساتھ زندگی اور موت میں اس ثابت قدمی کے ساتھ وابستہ رہے کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال ملنی محال ہے۔

ایسے زمانے میں جب کہ معجزات کا کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بزرگ

کے اشارے پر ہو جانا ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔ اور جب صرف عرب
میں بلکہ ان ہمسایہ ممالک میں جہاں کی تہذیب بہت زیادہ ترقی یافتہ تھی۔
تمام فضا مافوق الحادات سے پُر ہو رہی تھی۔ آزادی خیال کا یہ عظیم الشان
علمبردار اُن معجزہ کے طلبگار کفار کو بلاتا تھا جو اب دیتا ہے "خدا نے
مجھے عجیب و غریب کام کرنے کے لئے نہیں بھیجا۔ بلکہ اس نے مجھے نہایت
ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔"

"کیا میں جو رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ انسان سے کچھ زیادہ ہوں
زمین پر فرشتے آباد نہیں ورنہ خدا کسی فرشتہ کو ان کی ہدایت کے لئے
بھیجتا۔ میں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ خدا کے خزانے میرے قبضے میں
ہیں یا مجھے غیب کا علم ہے یا میں کوئی فرشتہ ہوں، میں جو اپنی آپ
مدد نہیں کر سکتا نہ مجھے اپنے آپ پر بھروسہ ہے، جب تک اللہ نہ چاہے
کوئی غیر معمولی دعویٰ نہیں، کوئی مبالغہ آمیز گفتگو نہیں۔ اور اپنی
ہستی اور اعمال کے متعلق کوئی افسوس گرا نہ جیلہ نہیں۔ آپ ہمیشہ یہی
الفاظ دہراتے ہیں کہ میں صرف خدا کے الفاظ سنانے اور بنی نوع انسان
کے پاس خدا کا پیغام لانے والا ہوں۔ شروع سے آخر تک کوئی جھگڑ
ایسا نہیں، جس میں انسانی پرستش کی استدعا کا کوئی پہلو نکل سکے۔
شروع سے آخر تک آپ کے متین بیان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل
نہیں جو اس زمانہ کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت حیرت انگیز
ہے۔ شروع سے آخر تک ان کا طرز عمل اپنے خالق کے سامنے عجز و

انکسار سے پُر ہے۔ اور عروج و سر بلندی کے اوقات میں بھی آپ کے جذبات
خاکساری اور منوثیت کے ہیں۔

”شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا اور مہربان
ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کی تسبیح
و تقدیس کرتا ہے جو بادشاہ پاک ذات، غالب اور حکمت والا ہے۔ وہ
وہی تو ہے جس نے رعب کے جہالوں میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان
کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنانا ہے، ان کو پاک کرتا ہے۔ انہیں کتاب
الہی اور حکمت کی باتیں سنانا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح
گمراہی میں مبتلا تھے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتے عطا کرے اور اللہ
کا فضل بہت بڑا ہے۔“

پیغمبر اسلام کسی مافوق الحادیت کا دعویٰ نہیں کرتا اور اپنی صداقت
کے ثبوت میں صرف اپنی تعلیمات پیش کرتا ہے۔ وہ اپنی تنبیہات کو مؤثر
بنانے کے لئے معجزات کی آڑ نہیں ڈھونڈتا۔ وہ قدرت کے عجائبات کو ہستی
بارہی تعالے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ وہ انسان کی سادگی اور کمزوری
کی بجائے اس کے ضمیر اور عقل سے خطاب کرتا ہے۔ تم اپنے ارد گرد
ہی دیکھو۔ یہ حیرت انگیز دنیا، سورج، چاند اور ستارے جو آسمان کے اس
نیلے گنبد پر نہایت تیزی سے اپنے مقررہ راستے پر چلے جاتے ہیں،
کائنات کی یہ تنظیم اور پابندی قانون، یہ بارش جو مردہ زمین کو زندہ کر دیتی
ہے۔ فائدہ مند مال سے لے کر ہوائے بہار، جو سمندر پر تیرتے پھرتے ہیں

زیرین پھلوں سے لدے ہوئے کھجور کے درخت، کیا یہ تمہارے لکڑی اور
پتھر کے دیوتاؤں کے کام ہیں!

”نادانوں! کیا تم نشان چاہتے ہو جیکہ تمام کائنات نشانات سے
بھری پڑی ہے۔ تم اپنے جسم کی بناوٹ دیکھو۔ کس قدر حیرت انگیز ہے،
اور کس خوبی سے اُسے ترتیب دی گئی ہے۔ رات اور دن زندگی اور
موت کی تبدیلیوں پر غور کرو۔ تمہاری نیند اور بیداری اور خدا کی بے
شمار نعمتیں، ہوا میں جو پانی سے لدے ہوئے بادلوں کو، خدا کے فضل و کرم
کے ان نشانات کو اڑائے لئے جاتی ہیں۔ کیا یہ نشانات ایک مالک و خالق
کی ہستی کا کافی ثبوت نہیں؟“

پیغمبر اسلام کے نزدیک قدرت خود ایک الہام اور معجزہ ہے
ہر گیارہ کہ از زمین روید وحدہ لا شریک لہ گوید
از بسکہ یہ وحدانیت کا پیغام بر فطرت کا پیغمبر تھا۔ اخلاقیات کی طرف
اُس کی دعوت اور توحید الہی کے متعلق اس کی دینی ہونی تڑپ کا انحصار اس
محیطِ کل قانون کی ذہنی و عقلی پہچان اور اس ایک ظاہر و باہر نفس اور اس
ایک طاقت پر ہے جو کائنات کے توازن ہدایت اور انتظام کی ذمہ دار
ہے۔ آنحضرت کا عظیم الشان معجزہ وہ کتاب ہے جس میں آپ نے ایک الہامی
زبان میں فطرت، ضمیر اور رسالت کے تمام انکشافات کو بیان کر دیا۔ اسے
منکر لوگو! کیا تم اس سے بھی بڑا معجزہ چاہتے ہو۔ کہ تمہاری الٰہی زبان میں
ایک بے مثال کتاب نازل کی گئی، جس کی ایک ایک ہیئت نے تمہاری تمام

شاعری کو اور تمہارے تعلقات کو گرد کر دیا۔ اور جس میں تمام کائنات کے لئے رگم و کرم کی بشارتیں ہیں اور تکبر و بغاوت کے لئے وعید ہیں۔

لیکن آپ کی تمام پسند و نصائح کے لئے قریش کے کان بہرے تھے۔ وہ خدا کے نشانات کے لئے اندھے تھے۔ وہ کارخانہ قدرت میں ہستی باری تعالیٰ کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ وہ اپنے ناصح کی آواز سن نہ سکتے تھے جو انہیں نیکی کی طرف بلاتا تھا۔ اور انہیں ان کے اسلاف کے جرائم و مکروہات سے پھیرنا چاہتا تھا۔ ان کے کینہ پرورانہ جواب میں وہ رُوحِ حقّی جس کی مثال صرف قدیم آریاؤں اور غلیجیوں ہی میں مل سکتی ہے۔ وہ کہتے "اے محمد! جان رکھ ہم تیری مخالفت سے اُس وقت تک نہ ٹلیں گے جب تک ہم دونوں میں سے کوئی ایک فنانہ ہو جائے؟"

انہیں دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے مسلمان مورخین اور انکھروں کے عیسائی سوانح نگار مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ ایک روز آپ پر وحی کی حالت طاری تھی، اور آپ خانہ کعبہ میں وہ چند آیات تلاوت فرما رہے تھے جو اب قرآن کی ۵۳ ویں سورت کا ایک جزو ہیں جب آپ ان الفاظ پر پہنچے، کیا تم نے لاتِ عزیٰ اور غیسرے مناسک کے متعلق غور کیا؟ ایک بُت پرست جو پاس ہی سن رہا تھا اور جسے روایات نے اب شیطان میں تبدیل کر دیا ہے۔ ان کا بطلان کرنے والی آئندہ آیت کا اندازہ کئے بغیر یہ بلندہ مرتبہ دیویاں ہیں اور خدا سے ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے بعض نے ان الفاظ کو بھی وحی کا جزو سمجھا اور قریش

اپنی اس شہزادہ متنا یا رسول اللہ کی رعایت سے خوش ہو کر آپ کے پاس حاضر ہوئے اور ایسی خیر ایلط کے منظور کرنے پر آمادگی ظاہر کی جب آنحضرت کو اس معاملہ کا علم ہوا۔ تو آپ فوراً پکار اُٹھے ”وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم لوگوں نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے وضع کر لئے ہیں“ یہ بیان مسلمان مورخین کا ہے۔ عیسائی سوانح نگاروں کے نزدیک یہ واقعہ قریش کے ساتھ اس جھگڑے کو کسی حیلے ختم کرنے کے لئے آنحضرت کی ایک لمحاتی خواہش خیال کی جاتی ہے متنبیین اسے ”عجیب“ اور ”پستی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن شریف اور غیر متصہب مورخین اس واقعہ سے رسول عربی کی ہستی کو روشن تر کر دیتے ہیں۔ ظلم و جور میں روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔ آپ کے متنبیین کی تکالیف میں اضافہ ہو رہا تھا اور شہر کی تمام آبادی مسلح ہو کر آپ کے مقابلہ پر آگئی تھی۔ آپ کو اپنے متنبیین کی حالت دیکھ دیکھ کر سخت رنج ہوتا تھا۔ بہت پرستی اور اس طویل جنگ نے آپ کو غمزدہ بنا دیا تھا۔

اس اعلان پر کہ لات، سعری اور منات صرف نام ہی نام ہیں ظلم و جور دگنے بوش سے بھر چکا تھا۔ لیکن خدا نے تعالیٰ کی امداد پر بھروسہ کرتے ہوئے اور ان ہدایات کے سہارے جو فرشتہ رحمت آپ کے دل میں ڈال رہا تھا۔ دشمنوں کے ظلم و جور آپ کو اپنے کام سے باز نہ رہ سکے ان تمام مخالفتوں کے باوجود نئی تعلیمات آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر بڑھتی گئیں۔ پچائی کے بیج جو اس خوبی سے یوسے گئے تھے، بھر رہے تھے۔

سے نہ رہ سکتے تھے۔ صحرا کا وحشی عرب یاد دُر دراز شہروں کا تاجر باشتند
 جو کوئی بھی قومی میلے پر آتا، اس عجیب و غریب شخص کی باتیں سنتا ہے اس
 کے دشمن مجنوں کہتے تھے۔ اس کی پاک تعلیمات کو سنتا ہوا اس کی رُوح کی
 گہرائیوں سے نکلتی تھیں۔ جب وہ اسے بتول پر، توہم پرستی پر اور بدکرداریوں
 پر لوگوں کو لعنت ملامت کرتے سنتا تو خوف و حیرت میں غرق ہو جاتا اور
 اپنے دُر دراز علاقوں میں ایک نئی روشنی اور نئی زندگی کا حامل ہو کر
 جاتا تھا تا کہ اسے خود اس بات کا علم نہ ہوتا۔ وہ تمام اچوکیات اور گالیاں
 جن کا مورد آنحضرتؐ کے دشمن آپؐ کی ذات کو بناتے، آپؐ کی
 تعلیمات کی شہرت کو وسیع تر کر دیتیں۔

اس اثنا میں مکہ و اسے بھی بے کار نہ رہے۔ کئی مرتبہ انہوں نے
 ابوطالب کے پاس وفد بھیجے کہ وہ اپنے پیغمبر کو ان کے مذہب کی مخالفت
 سے روک دیں۔ شروع میں تو ابوطالب انہیں تعلق ادا نہ فرمایا۔ واپس
 کر دیتے رہے۔ لیکن جب کفر و ناپاکی کے خلاف آنحضرتؐ کی آتش بیانی جاری
 رہی تو قریش نے آپؐ کو کعبہ میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی اور سب
 اکٹھے ہو کر آپؐ کے چاکے پاس آئے اور کہا: ہم آپؐ کی بزرگی اور مرتبہ کا
 لحاظ کرتے ہیں۔ لیکن آخر اس لحاظ کی کوئی حد بھی ہے۔ آپؐ کا جتنی ہمارے
 دیوتاؤں اور ہمارے آبا و اجداد کے متعلق گستاخانہ کلمات کہتا ہے اور
 ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ اس سے یا تو اسے ایسا کرنے سے روک دیجئے
 یا خود اس کے ساتھ شامل ہو جائیے۔ تاکہ تلوار ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔

اور دونوں میں سے ایک گروہ نابود ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ رخصت ہو گئے۔ ابوطالب کو نہ تو اپنی قوم سے جدا ہونا گوارا تھا۔ اور نہ وہ اپنے بھتیجے کو کفار کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے آنحضرتؐ کو بلایا اور قریش کی باتوں سے مطلع کرنے کے بعد اس کام کو چھوڑ دینے کی استدعا کی۔ آنحضرتؐ نے خیال کیا کہ چچا اپنی حمایت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن اس نازک وقت میں بھی اولوالعزمی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ نے مضبوطی سے فرمایا: ”چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور مجھے اس کام سے باز رکھنا چاہیں تو میں پھر بھی باز نہ آؤں گا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا مشا پورا ہو جائے یا میں اس کوشش میں فنا ہو جاؤں۔“ لیکن آپ اپنے چچا کے طرز عمل سے مغموم سے ہو گئے اور واپسی کے لئے پلٹے ہی تھے کہ چچا نے بلا کر کہا: ”جو کچھ تمہارا دل چاہتا ہے کہے جاؤ۔ خدا کی قسم ہے میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑو گا۔ نہیں کبھی نہیں۔“ قریش نے ایک مرتبہ اور کوشش کی کہ ابوطالب بھتیجے کو ان کے حوالے کر دیں۔ انہوں نے قبیلہ مخزوم کا ایک نوجوان آنحضرتؐ کے تبادلہ میں دینا چاہا۔ لیکن یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بھتیجے کی حمایت میں ابوطالب کی آمادگی نے ان کو اور ششمناک کر دیا۔ اس مسترز بزرگ نے بنی ہاشم، بنی مطلب اور آنحضرتؐ کے اقربا کو ان کی عزت کا واسطہ دے کر کہا کہ اپنے خاندان کے اس فرد فرید کو دشمنوں کے جور و ظلم کا ہدف بننے سے بچالو۔ اس استدعا پر سوا اس کج نظر ابولہب (ابو جہل) کے سب نے لبتک کہی۔

اس وقت اسلام نے حضرت عمرؓ کی ہستی میں ایک زبردست تحریک پیدا کر لیا جن کے ابو العزائم کو روموں نے اسلام کی آمد و آمد سے نفرت میں ایک عظیم الشان کارکن ثابت کیا۔ خدمات اسلام کی وجہ سے آپؐ کو اسلامی معجزات کا پیر خیر و زین حروف میں نکھال دیا گیا ہے۔ آپؐ خاندانِ نبویؐ ابن کعب کے ایک ممتاز فرد اور خطاب کے فرزند تھے۔ آپؐ قبولِ اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت ترین دشمن اور ان پر سختیاں کرنے میں سب سے پیش پیش تھے۔ آپؐ کے تبدیلِ مذہب کا باعث قرآن کی ایک سورت کا معجز نما اثر سمجھا ہے جو آپؐ نے اپنی ہشیرہ کے مکان پر سنی اور وہ جہاں آپؐ نہایت مخمب تک حالت میں قائم رہے اور اسے سے گئے تھے۔

اس واقعے سے متاثر ہو کر آپؐ سیدھے آنحضرتؐ کے پاس گئے۔ آپؐ کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی جس سے آپؐ کبھی آنحضرتؐ اور آپؐ کے متبعین کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ نے مسلمانوں کے مجمع میں جو آنحضرتؐ کے ارشادات سن رہے تھے سخت اضطراب پیدا کر دیا لیکن آپؐ نے بڑھ کر آنحضرتؐ کا ہاتھ چوم لیا حضرت عمرؓ پر خدا تعالیٰ کے رحم و کرم کا نزول دیکھ کر مسلمانوں کے شاکرانہ نعرے فقہا میں گونج اُٹھے۔ آپؐ کا حلقہ اسلام میں داخل ہونا اسلام کے لئے بمنزلہ ایک فیصل کے ثابت ہوا۔

اسلام کو اب چھپ چھپ کر رہنے اور پردہ داری میں نماز ادا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ طبقہ غریب یا متبعین کی ایک معقول تعداد کے علاوہ

آنحضرت کے گرد منتخب اصحاب کی ایک جماعت ہو گئی تھی۔ جو حمزہؓ، ابو بکرؓ اور عمرؓ جیسے بہادر، قابل اور سربراہ اور وہ افراد پر مشتمل تھی اور حضرت علیؓ اگرچہ تو عمرؓ کے لیکن جلد جلد امتیاز حاصل کر رہے تھے۔

ان مقتدر ہستیوں کی شمولیت نے مسلمانوں کے دل بڑھا دیے تھے اور اب وہ کلمہ کھلا نماز ادا کرنے لگے۔ قریش اب حالات کی نزاکت کو محسوس کرنے لگے اور ایک فیصلہ کن ضرب کے منتظر رہے۔

جشنہ کے وفد کی ناکام واپسی نے انہیں غضبناک کر دیا۔ آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک ہی حملہ سے ہاشم اور مطلب کے خاندانوں کو مٹا دیا جائے۔ اس کام کے لئے بعثت نبوت کے ساتویں سال ۶۰۲ء کے آخر میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے مخالفوں کی ایک انجمن قائم کی گئی ایک عہد نامہ پر سب کے دستخط لئے گئے کہ وہ بنی ہاشم کے ساتھ رشتہ و نکاح یا کسی قسم کا لین دین نہ کریں گے۔ اور یہ عہد نامہ کعبہ میں محفوظ کر دیا گیا۔ بنی ہاشم اور بنی مطلب جن میں کفار اور مسلمان دونوں شامل تھے اس عہد نامہ کی وجہ سے خوفزدہ ہو گئے۔ اور اسے کسی سخت تر حملے کا پیش خیمہ تصور کرتے ہوئے یہی مناسب سمجھا کہ شہر میں اپنے بکھرے ہوئے گھروں کو چھوڑ کر ایک جگہ مجتمع ہو کر رہیں۔ اس لئے سب شعب ابوطالب میں اکٹھا آئے۔ یہ ایک لمبی اور تنگ گھاٹی ہے جسے پہاڑی دیواروں نے شہر سے جدا کر رکھا ہے۔ اور داخل ہونے کے لئے ایک چھوٹے سے دروازے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ ابوطالب ان میں شامل نہ ہوا

بلکہ دشمنوں کی طرف رہا۔

یہ لوگ مع آنحضرتؐ کے سخت تنگی و عسرت کی حالت میں تین سال تک ہی جگہ محصور رہے۔ جس قدر سامانِ خوراک وہ ساتھ لے گئے تھے وہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ اور فاقہ زدہ بچوں کے رونے کی آواز باہر سے سنائی دینے لگی۔ اگر باہر کے کم مقتصد لوگ وقتاً فوقتاً انہیں پوری چھپے امداد نہ دیتے رہتے تو ممکن تھا کہ سب کے سب وہیں فاقوں سے جان بحق ہو جاتے۔ اب چند رؤسا اپنی اس نا انصافی پر دل ہی دل میں منفعل ہو رہے تھے۔ بعثتِ نبوتؐ کے دسویں سال ۶۱۹ء میں ہشام بن عمر نے جسے ہاشمیوں کے ساتھ بہت ہمدردی تھی اقریش اور ہاشم و مطلب کے خاندانوں کے درمیان ایک صلحنامہ کی تحریک شروع کی۔ وہ زبیر بن ابی اسیمہ کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو گیا اور چند اور لوگوں کی مدد سے اس نے صلحنامہ کو منسوخ کر دیا۔ دونوں خاندانوں کے ساتھ تعلقات از سر نو قائم ہو گئے۔ اور انہیں مکہ میں آنے کی اجازت مل گئی۔

جتنا عرصہ آنحضرتؐ شعب میں رہے، شہر میں اسلام کوئی ترقی نہ کر سکا۔ ان مبتکر مہینوں میں جب کہ لڑائی جھگڑے حرام سمجھے جاتے تھے آنحضرتؐ اپنے قید خانہ سے باہر آتے اور حاجیوں کو تبلیغ کرنے کی کوشش کرتے لیکن ابو جہل ہر جگہ آپ کے پیچھے پیچھے جاتا اور پکار پکار کر کہتا: "یہ شخص جھوٹا ہے!"

اس کے بعد آئندہ سال میں جو تاریخ اسلام "عام الحزن" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ یکے بعد دیگرے وفات پا گئے۔

ابو طالب کی وفات سے آپ نے اپنی جوانی کا سرچستہ کھو دیا، جو اب تک آپ
 ہیں اور آپ کے دشمنوں میں دیوار کی طرح حائل تھا۔ حضرت خدیجہ کی وفات
 ایک سال کاہ صد مہنتی جب ابھی آپ پر کوئی ایمان نہ دیا تھا، یہاں تک کہ خود
 آپ کو بھی اپنی رسالت کا علم نہ تھا۔ جب آپ کا دل ثبات سے پڑھا جب
 آپ کو اپنے آس پاس صرف تاریکی اور یاس ہی نظر آتی تھی۔ تو انہیں کی محبت
 اور انہیں کے ایمان و یقین نے آپ کا ساتھ دیا تھا۔ آپ اُمید و یقین کا فرشتہ
 تھیں۔ آنحضرتؐ کو آخری وقت تک آپ کی محبت و الفت یاد آتی رہی ہے۔

نوٹ :- سر ولیم پیور کا خیال ہے کہ ایم کا سن ڈی پرسیوں، رضا اور بطی کو جگہوں
 کے نام سمجھنے میں غلطی پر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان ناموں سے ان جگہوں
 کی تفصیل میں مطلوب ہے جن پر ان لوگوں کو اذیت دی جاتی تھی۔ ایم کا سن ڈی
 پرسیوں اور اپنے بیان کی تسلیق میں میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان جگہوں
 کی موجودگی ایک حقیقت ہے اور مسلمان مصنفین نے بطی کو مکہ کے قریب و ہوار
 میں ایک جگہ ظاہر کیا ہے۔ مثلاً مشہور حکیم سنائی کتاب ہے کہ
 جو غنیمت بہت خدمت کن، جو بے عملان گذشت آید
 گرفت چینیال احرام و کی خفیت در لیل

دوسرا باب

ہجرت

محمد سید الکونین الثقلمین والفریقین من عرب عجم
 بنی اُمیہ اور دوسرے مخالف قبائل کو قدیم مذہب کی وابستگی کی بنا
 پر اور اس حسد و نفرت سے براہِ گنجت ہو کر جو انہیں ہاشمیوں کے ساتھ تھی۔ مکہ میں
 اسلام کو کچل دینے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ ابوطالب کی وفات جن کے اثر و
 اقتدار نے ان کے غمہ کو دبا رکھا تھا۔ ظلم و جفا کو دگنے جوش سے شروع کرنے
 کا ایک اشارہ ثابت ہوئی۔

اپنے محترم سرپرست اور محبوب بیوی کی وفات نے آنحضرتؐ کو
 سخت صدمہ پہنچایا۔ اور قریش کی اصلاح سے ناامید ہو کر لیکن خدا پر پورا بھروسہ
 کرتے ہوئے آپؐ نے تبلیغ کے لئے کوئی اور میدان تلاش کرنا چاہا مگر لوگوں
 نے خدا کے الفاظ قبول نہ کئے۔ شاید اہل طائف انہیں سنیں۔ اپنے وقادار
 خادم زید کی محبت میں آپؐ بنی ثقیف میں آئے۔ اور انہیں اپنے آنے کا
 مقصد بتایا۔ برائیوں سے متنبہ کیا اور خدا کی عبادت کی طرف بلایا۔ آپؐ
 کی تقریر نے غیظ و غضب کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ یہ مجنون شخص کون ہے۔
 جو اس آزادی اور اطمینان کے ساتھ ہمیں اپنے خوبصورت دیوتاؤں کی

پرستش سے روکتا ہے۔ "غلاموں اور بچوں کا ایک گروہ پختہ برسانا اور چنچتا چلاتا ہوا آپ کے پیچھے دوڑا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی اور وہ لوگ آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ پاؤں زخمی اور تکان سے پور ہو رہے تھے کہ آپ کمزوروں کے ایک جھنڈ کے سایہ تلے آ گئے اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر پکارے۔ "اے خدا! میں اپنی کمزوری اور ناکامی کی فریاد تیرے پاس لے کر آیا ہوں۔ کیونکہ میں لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوں۔ اے رحمن! اے کمزوروں کے خدا! تو ہی میرا حافظ و ناصر ہے۔ مجھے اس وقت بھلا دینا۔ مجھے اجنبیوں اور دشمنوں کے حواس نہ کرنا۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو میں محفوظ ہوں۔ میں تیری مہربانی کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں دُفد ہو جاتی ہیں اور دنیا و عقیقی میں امن ملتا ہے۔ اپنا غصہ مجھ پر نازل نہ فرما۔ جس طرح تو چاہے میری مشکلات آسان کر دے۔ تیرے سوائے کوئی طاقت اور کوئی مدد نہیں ہے۔"

آپ سخت غمزدہ ہو کر مکہ کو واپس آئے کچھ مدت یہاں کے لوگوں سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ کبھی کبھی تبلیغ کرتے لیکن آپ کی کوشش صرف ان اجنبیوں تک محدود رہتی جو مکہ یا اس کے قریب و جوار میں حج کی غرض سے جمع ہوتے۔ اور بقول طبری آپ ایسے لوگ تلاش کرتے جو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تعلیمات کو اپنے دُور دراز علاقوں میں سنا لے جائیں۔

ایک روز جبکہ آپ ان نیم تاجروں اور نیم حاجیوں میں اُساں

لیکن اُمید طریق سے مصروفِ کار تھے آپ کو شرب کے چھ باشندے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے ملے۔ آپ نے ان سے فرمایا۔ بیٹھ کر میری بات سنو۔ آپ کی متین اور پُرِ صداقت باتوں سے متاثر ہو کر وہ ایمان لے آئے اور اپنے وطن پہنچ کر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ یہ خبر پھیلا دی کہ عربوں میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے گا۔ اور ان جھگڑوں کا خاتمہ کرنے کا جو صدیوں سے ہمارے درمیان چلے آتے ہیں۔

دوسرے سال یہ شیر بنی اپنے شہر کے (بر آوردہ) نمائندوں بن سے چھ نمائندے اپنے ساتھ لائے۔

اسی جگہ پر جہاں پہلے چھ آدمی ایمان لائے تھے اب چھ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ عقبہ کی پہلی بیعت کہلاتی ہے۔ اس پہاڑی کے نام پر جہاں یہ عمل میں آئی آپ نے ان سے مندرجہ ذیل عہد لئے۔

”ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بتائیں گے۔ ہم چوری اور زنا کاری کبھی نہ کریں گے۔ ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ ہم تہمت اور غیبت سے بچیں گے۔ ہم ہر اچھی بات کے لئے پیغمبر کا حکم مانیں گے اور ہم شادی و غم میں اس کے فادہ رہیں گے۔“

اس بیعت کے بعد یہ لوگ اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔ مذہب کے اصول انہیں سمجھانے کے لئے آپ نے ایک صحابی کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ شرب میں یہ مذہب تیزی سے پھیلنا شروع ہو گیا۔

بیعتِ اولیٰ اور بیعتِ ثانی کا درمیان فی وقفہ رسالتِ محمدی کے نازک

تربیہ لہجہ ہونے کی وجہ سے خافض اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کا بے نظیر
 توکل اور آپ کا پر عظمت طرز عمل کسی جگہ اس قدر نمایاں نہیں جس قدر کہ اس
 زمانہ میں ہے۔ اپنی قوم کی صنم پرستی کو دیکھ دیکھ کر آپ کڑھتے۔ لیکن آپ کا
 رنج اس اُمید سے رفع ہو جاتا کہ حق انجام کار باطل پر فتح پا کر رہے گا۔ ممکن
 ہے آپ کی زندگی اس وقت تک وفانہ کرے۔ لیکن باطل کا حق کے سامنے
 غائب ہو جانا ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ سورج کی کرنوں کے سامنے تاریکی کا فوج
 ہو جانا۔ ان حالات کے پیش نظر مود کی زبان سے بھی غیر معیاری طور پر چند تعریفی
 کلمات نکل گئے ہیں۔ ”مگر صلعم اس طرح اپنی قوم کو روکے ہوئے افستح کی
 اُمیدوں میں ظاہر طور پر بے یار و مددگار اور اپنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ
 جو بظاہر شیر کے منہ میں تھی“ اپنے قادر مطلق خدا کی طاقت پر بھروسہ کئے ہوئے جس
 کا پیغام بروہ اپنے آپ کو سمجھتے تھے مضبوط و استوار کھڑے ہوئے ایک
 ایسا نظارہ پیش کرتے ہیں جس کی مثال صرف صحف مقدسہ ہی میں مل سکتی ہے۔
 اور صرف ایسے واقعات میں جیسا کہ پیغمبر اسرائیل کا ہے جب کہ وہ اپنے خدا سے
 شکوہ کرتا ہے۔“

یہ مضطربانہ انتظار کا زمانہ اس عجیب رویا، معراج کی وجہ سے بھی
 زیادہ قابل ذکر ہو گیا ہے جسے شاعروں اور راویوں کی قیاس آرائیوں نے قطعاً
 بدل دیا ہے۔ ان لوگوں نے قرآن کے ان سادہ الفاظ کو خوبصورت تصویروں اور
 کہانیوں میں لپیٹ دیا ہے۔ ”وہ خدا پاک ہے جو اپنے بندے کو رات
 کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا۔ جس کے ماحول کو ہم نے برکتیں

دے رکھی ہیں۔ تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کے نشان دکھائیں۔ اور بیشک خدا سمیع بصیر ہے۔ اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں کہا یقیناً تمہارا خدا انسان کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور ہم ہی نے وہ رویا تمہیں دکھائی "باوجود اس خوبصورت لباس کے جس میں راویوں نے اس عجیب واقعہ کو ملبوس کر رکھا ہے۔ یہ ایک عظیم الشان رویا ہے جو اپنے اندر پر عظمت و شوکت خیالات اور عمیق معنی لئے ہوئے ہے۔

اگلے سال ۶۲۶ء میں ۷۵ شہری جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اپنے غیر مسلم رفقا کے ہمراہ مکہ میں آئے تاکہ رسول اللہ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں۔ لیکن ان کو اپنے ساتھیوں کے ارادہ کا علم نہ تھا۔

رات کی خاموشیوں میں جب کہ تمام دشمن عناصر سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے اسلام کے یہ علم بردار اس پہاڑی کے نیچے جمع ہوئے جہاں بیعت اولیٰ عمل میں آئی تھی۔ آنحضرتؐ اپنے چچا عباسؓ کی معیت میں یہاں پہنچے۔

جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہ کیا تھا۔ لیکن اسلام کی ترقی میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ آپؐ نے اجلاس کا افتتاح کیا اور شریعوں کو ان تمام خطروں سے واضح طور پر آگاہ کیا جن میں وہ اپنے آپ کو اسلام اختیار کرنے اور رسول اللہ کو اپنے شہر میں بلا کر ڈال رہے تھے۔ انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ اسلام قبول کرتے وقت یہ تمام خطرات پہلے ہی سے ان کے پیش نظر تھے۔ اور کہا۔ یا رسول اللہ! اپنے لئے اور اپنے خدا کے لئے جو عہد آپؐ

لینا چاہتے ہیں ہم سے لے لیں۔“

آنحضرتؐ نے اپنے معمول کے مطابق قرآن کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ انہیں خدا کی عبادت کی دعوت دی اور نئے مذہب کی برکات بتائیں پہلے عہد کو دہرایا گیا۔ کہ وہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ اسلام کے احکام کی تعمیل کریں گے۔ ہر نیک عمل کے لئے رسول اللہ کے احکام مانیں گے۔ آپ کی اور آپ کے متعلقین کی اس طرح حفاظت کریں گے۔ جس طرح اپنی آل و اولاد کی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ”اگر ہم خدا کی راہ میں اپنی جانیں دے دیں تو ہمیں کیا ملے گا؟“ جواب ملا ”آئندہ زندگی کی راحت“ انہوں نے کہا ”لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ عروج و خوشحالی کے وقت اپنے لوگوں میں واپس چلے آئیں۔ اور ہمیں چھوڑ دیں۔ آپ مسکرائے اور فرمایا۔“ نہیں ہرگز نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔“ انہوں نے کہا ”تو اپنا ہاتھ بڑھائیے۔“ اور ہر ایک نے آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کے لئے قسمیں کھائیں یہ معاہدہ ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ ایک بکی کی آواز آئی۔ جو دور سے تاریکی میں چھپا اس معاملہ کو دیکھ رہا تھا۔ تمام لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ لیکن آنحضرتؐ کے تسلی بخش الفاظ نے ان کے ہوش بجا کئے۔ آپ نے انہیں لوگوں کی رائے کے مطابق بارہ بلند مرتبہ آدمی بطور نقیب منتخب کئے اور اسی طرح دوسری بیعت عقبہ انجام پذیر ہوئی۔

مکی ہجرت نے اس مشاورت کی خیر تمام شہر میں پھیلا دی تھی۔ قریش

آنحضرتؐ کی بیباکی پر سخت حیران ہوئے۔ سب کے سب اکٹھے ہو کر شیرنی کارواں
 میں پہنچے اور آنحضرتؐ سے معاہدہ کرنے والوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔
 لیکن ان لوگوں کا کوئی سراغ نہ مل سکا اور کارواں کو بلا حجت واپس جانے
 کی اجازت نہ مل گئی۔ قریش کا یہ ظاہری تحمل آنحضرتؐ اور آپ کے متبعین کے
 لئے ظلم و جور میں زیادتی کی تہیہ نہایت ہوا۔ مسلمانوں کی حالت روز بروز
 خطرناک ہوتی جا رہی تھی۔ آنحضرتؐ نے قبل عام کے خوف سے اپنے
 متبعین کو شرب کی طرف فوراً ہجرت کر جانے کی ہدایت کی جس کے نتیجے میں
 تقریباً ایک سو گھرانے ایک ایک دودو کر کے نہایت خاموشی سے مکہ سے
 مکمل جاتے رہے۔ شرب میں ان کا نہایت پرہیزگار خیر مقدم کیا گیا اسی
 طرح مکہ میں محلے کے محلے خالی ہو گئے۔ عتبہ بن ربیعہ نے ان عربوں کو
 کو دیکھ کر بوجہ اس قدر آباد ہونے ایک ٹھنڈا سا نس ہوا اور ایک پرانا شہر پر
 کہ ”ہر آبادی خواہ وہ کتنے عیش و خوش حالی کا مرکز بنی رہی ہو ایک نہ ایک
 جان و غم والی اور مریانی کا شکار ہو جاتی ہے“ اور نہایت افسوس کے ساتھ
 کہا کہ ”یہ تمام کارستانی ہمارے اپنے ہی ایک بھائی کی سہمہ جس نے
 ہماری محنتوں کو منتشر کر دیا۔ ہمارے معاملات کو تباہ کر دیا“ اور ہمارے
 درمیان تفریق ڈال دی۔“

حضرت علیؑ کی طرح آنحضرتؐ کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ پیش

آیا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضرت علیؑ خود قتل ہوئے تھے کہ ”یہ نہ سمجھو کہ میں

ذیابہ اس لئے کیا ہوں۔ میں اس لئے کہ نہیں آیا بلکہ تلوار لے کر آیا ہوں۔ میں

یہ گویا سپے، بیٹی کو ماں سے اور بہو کو ساس سے جدا کرنے آیا ہوں۔
لیکن آنحضرتؐ کے معاملہ میں آپ کا بدترین دشمن آپ کو گھرانوں میں تفریق
ڈالنے کا الزام دیتا ہے۔

اس تمام عرصے میں جب کہ طوفان چڑھ چکا تھا اور ہر لحظہ اس کے
تباہ کن اثرات کا خدشہ تھا۔ آپ کا پائے استقلال کبھی نہ ڈل گیا۔ حضرت علیؓ
اور حضرت ابوبکرؓ کے سوا آپ کے تمام متبعین شرب پہنچ چکے تھے لیکن آپ
ایسے نہایت دلیری سے اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔

آنحضرتؐ کے بیچ نکلنے کے خوف سے قریش نے دارالندوہ میں ایک
مجلس مشاورت قائم کی جس میں دوسرے قبائل کے رؤسا کو بھی دعوت شمولیت
دی گئی۔ اب زندگی اور موت کا سوال و پیش تھا۔ ایک طوفان انگیز مشاورت
ہوئی۔ کیونکہ ان کے دلوں میں خوف گھر کر چکا تھا۔ عمر قید اور خارج الید
کرنے پر باری باری سے بحث ہوئی۔ آخر قتل کی تجویز منظور ہوئی۔ لیکن مشکل
یہ تھی کہ قاتل اور اس کا خاندان انتقام کی زد سے نہ بچ سکتا تھا۔ اس مشکل
کو ابو جہل نے یوں حل کیا کہ تمام قبائل میں سے چند باہمت جوان منتخب
کئے جائیں جو اپنی تلواریں یک دم آنحضرتؐ کے سینہ میں پیوست کر دیں
تاکہ اس کام کی ذمہ داری سب پر یکساں عائد ہو۔ اور آپ کے اقربا انتقام
سے عاجز آجائیں۔ یہ تجویز پسند کی گئی اور اس سنگدلانہ کام کے لئے چند
ذی مرتبہ نوجوان منتخب کئے گئے۔ جب کچھ راست گزری تو ان قاتلوں نے
آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ لوگ تمام رات پیدا رہے اور انتظار

کرتے رہے کہ علی الصباح جب آپ نکلیں تو آپ کو قتل کر دیا جائے کبھی واروں
 کی درزوں سے جھانک کر اطمینان کر لیتے کہ آپ ابھی تک بستر پر موجود
 ہیں لیکن اپنے بچاؤ کے اس احساس نے جس کے ذریعہ ناصرہ کا پیغمبر اپنے
 دشمنوں سے بچ کر نکل جاتا تھا، آپ کو بھی خطرہ سے متنبہ کر دیا تھا تاہم انہوں
 کی توجہ کو بستر پر لگائے رکھنے کے لئے آپ نے اپنی سبزی چادر اپنے
 وفادار دوست حضرت علیؓ پر ڈال دی، اور انہیں اپنے بستر پر لٹا دیا۔
 اور خود اس طرح بچ نکلے جس طرح حضرت داؤدؑ کھڑکی میں سے بچ نکلے تھے
 آپ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر آئے اور دونوں چپکے سے روانہ ہو گئے۔
 دونوں کوہ ثور کے ایک غار میں جو کہ کے جنوب میں واقع ہے کئی روز تک
 چھپے رہے۔ قریش کا غصہ اب حد سے تجاوز کر گیا۔ قتل کرنے والوں کی لگائی
 نے ان کے جذبات دشمنی کو اور بیدار کر دیا۔ تمام علاقے میں سوار دوڑائے گئے
 اور آپ کے قتل پر اتمام مقدر کیا گیا۔ ایک دوسرے کو خطرہ اس قدر فریب پہنچ
 گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کا دل خوف سے لرز گیا اور کہا کہ ہم صرف دو ہیں، آپسے
 فرمایا "ہم نہیں ہم تین ہیں خدا بھی ہمارے ساتھ ہے" اور واقعی خدا ان کے
 ساتھ تھا تین دن کی ناکام جدوجہد کے بعد قریش کی کوششیں کچھ سست
 پڑ گئیں۔ اس ناکام عرصے میں حضرت ابوبکرؓ کی ایک بیٹی رات کے وقت
 آپ کو کھانا پہنچانے جایا کرتی تھی۔ تیسری رات کو انہوں نے یہ وقت تمام
 دواؤں پر ہم پہنچائے اور غیر آباد راستوں سے شرب کو روانہ ہوئے۔ لیکن یہ
 راستہ بھی خطروں سے پر تھا اس مشہور العام کے لالچ میں جو آپ کے

قتل کے لئے مقرر کیا گیا تھا ابھی تک کسی سوار نہایت تنہی سے ان سے
 یار و مددگار مسافروں کو تلاش کر رہے تھے ایک کھنٹی ہوئے جنگجو سپاہی نے انہیں
 پہچان لیا۔ اور گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ ایک دفعہ پھر حضرت ابوبکرؓ کا دل خوب
 گیا اور فرمایا کہ "ہم ہلاک ہوئے" آنحضرتؐ نے فرمایا "دروہ نہیں، خدا ہمیں
 بچائے گا" جب وہ قریب پہنچا۔ تو اس کا گھوڑا بھڑک گیا اور گر پڑا۔ سوار پر
 ایسا خوف طاری ہوا کہ معافی کی استدعا کرنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک
 ہڈی کے ٹکڑے پر اسے معافی نامہ لکھ دیا۔

تین دن کے سفر کے بعد آپؐ شرب کی حدود میں پہنچ گئے۔ جو ^{۴۲۲} ^{۴۲۳}
 کا ایک گرم دن تھا کہ آپؐ اس زمین پر اترے ہوئے آئندہ آپؐ کا امن مسکن
 بننے والی تھی سب سے پہلے ایک یہودی نے جو ایک مینار پر کھڑا تھا آپؐ
 کو دور سے پہچانا۔ اس طرح قرآن کے یہ الفاظ پورے ہوئے کہ وہ لوگ
 جنہیں کتاب دی گئی ہے اسے اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے
 بچوں کو پہچانتے ہیں۔ "آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ چند روز تک قبا نام ایک
 گاؤں میں ٹھہرے جو شرب سے دو میل جانب جنوب واقع ہے اور خوب
 صورتی اور زرخیزی کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہیں حضرت علیؓ آپؐ کے آن
 سے جنہیں آپؐ کے بعد کفار نے سخت اذیتیں دی تھیں حضرت علیؓ مکر سے
 بھاگے تو دن کو چھپتے راتوں سفر کرتے ہوئے پایادہ یہاں پہنچے۔

نبیؐ عمر دین ٹوٹنے جو اس گاؤں کے مالک تھے کچھ روز اور ٹھہرنے
 کی استدعا کی لیکن اپنے اہم فرائض کے پیش نظر آپؐ اپنے متبعین کی مختصر

جماعت کے ساتھ شریب کو روانہ ہو گئے۔ اور ۱۴ ربیع الاول مطابق ۲۱ جولائی

۱۲۲۲ھ جمعہ کی صبح کو شہر میں داخل ہوئے

اس طرح ہجرت کی تکمیل ہوئی جسے یورپی لواریج ”محمد صالح کے ذرائع“
سے تعبیر کرتی ہیں۔ اور اسی روز سے تقویم اسلامی کی ابتدا ہوئی۔

نوٹ:۔ سن ہجری کا اجرا ہجرت کے ستر سال کے بعد خلیفہ دوم کے وقت میں ہوا۔

لیکن سال کا آغاز مکہ سے رخصت ہونے کے دن سے نہیں کیا گیا جو ۴ ربیع الاول یکم محرم

سے کیا گیا۔ یکم محرم کو ۱۵ جولائی مقرر ہے۔

تیسرا باب

رسول اللہ مدینہ میں

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدہ ہر چہ کہ آخریہ ظہور آمدہ
اے ختمِ رسلِ قرب تو معلوم شد دیر آمدہ ز راہِ دور آمدہ

مندرجہ بالا متصوفانہ اشعار کے پورے معانی موجودہ زمانہ کے بہت کم
مسلمان سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن تمام لوگ اس گہری محبت و الفت کو پوری طرح
محسوس کرتے ہیں۔ جو ان الفاظ میں اس عظیم الشان ہادی کے متعلق ظاہر کی
گئی ہے اور یہ محبت ایسی نہیں جو کسی افسانہ کے ہیرو سے یا امتدادِ زمانہ کی
وجہ سے پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ ورنہ شیرب کے وقت سے لے کر آپ
کی ذات ہمیں روشن نظر آتی ہے۔ اور آپ ہی وہ عظیم الشان ہستی ہیں جس
پر آفتابِ تاریخ اپنی پوری آب و تاب سے چمکا ہے۔ آپ کی زندگی کے چھوٹے
چھوٹے واقعات نہایت احتیاط سے قلمبند ہو کر ہم تک پہنچے۔

ہم نے اس حیرت انگیز انسان کو ایک یتیم بچے کی صورت میں دیکھا
جسے جو شفقتِ پدری سے بالکل نا آشنا رہا اور جو بچپن ہی میں اُلفتِ مادری سے
محروم ہو گیا۔ جس کی ابتدائی زندگی حادثات سے پُر ہے۔ وہ ایک متفکر
بچپن سے متفکر جوانی میں پہنچا ہے۔ اس کی جوانی ایسی ہی پاکیزہ اور معصوم

ہے جیسا کہ اس کا بچپن اور وہ بڑھاپے میں بھی ویسا ہی عابد و زاہد ہے جیسا کہ جوانی میں۔ نالتوانوں اور غریبوں کے غم و مصیبت کی کہانی سنتے کے لئے وہ ہر وقت تیار ہے اور خدا کی مخلوقات کے لئے اس کا دل الفت و ہمدردی سے ہمیشہ پر نظر آتا ہے۔ وہ اس معجز و پاکیزگی سے چلتا ہے کہ راہ چلتے ہوئے کھڑے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو اشاروں سے بتاتے ہیں "وہ آلاہین جاتا ہے۔ جو راست باز نیک اور دیانتدار ہے۔" وہ ایک مخلص دوست اور محبت کرنے والا خاوند ہے۔ وہ ایک فلاسفر ہے جو موت و زیست کے اہم ترین افعال انسانی کی ذمہ داریوں اور تخلیق انسانی کے مقصد پر غور کرتا ہے۔ وہ ایک قوم نہیں بلکہ ایک دنیا کی اصلاح و درستی کا کام اس وقت سنبھالتا ہے جب اس کی ہمت بندھانے اور تسلی دینے کے لئے تمام دنیا میں صرف ایک محبت کرنے والا دل ہے۔ بہکانے سے اس کے استقلال میں فرق نہیں آتا اور ظلم و جور اسے مایوس نہیں کر سکتے۔ وہ ایک غیر مغلوب جوش کے ساتھ اپنے مفوضہ کام کی انجام دہی کے لئے کوشش کیے جاتا ہے۔ اس کا پاکیزہ اور پرمعشت پال چلن، خدا کے فضل و کرم پر اس کا یقین، راسخ جوق جوق جہان شناس کو اس کے گرد جمع کر دیتا ہے۔ اور جب سخت ترین آزمائش کا وقت آتا ہے تو وہ ایک فرض شناس نا خدا کی طرح نہایت ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر کھڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے تمام مسافر خطرے سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور پھر وہ خود ساحل پر قائم رہتا ہے پھر ہم اسے لوگوں کا بادشاہ، انسانی دلوں کا حکمران، قائد، قانون دان اور حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں

لیکن بغیر کئی کبر و غرور کے اسی عجز و ہکساری کے ساتھ۔ اب اُس کے حالات
اُس دولت عامہ کے حالات میں مدغم ہو چکے ہیں جس کا وہ مرکز تھا۔ اب
وہی مادی جو اپنے کپڑوں کی مرمت اپنے ہاتھ سے کیا کرتا تھا اور اکثر فاقہ ہی سے
گزار لیا کرتا تھا، دنیا کے قوی ترین بادشاہوں سے قوی تر تھا۔

آنحضرتؐ نے لوگوں کو دیکھا دیا کہ وہ کیا ہیں۔ آپ کے شریفانہ طرز
عمل، آپ کی مضبوط دوستی، آپ کی ہمت و جفاکشی اور سب سے بڑھ کر اعلائے
حق کے لئے آپ کے جوش اور سرگرمی نے اس ہیرو کو ظاہر کر دیا۔ اُس آقا کو
جس کے سامنے میر تسلیم خم نہ کرنا اور جس سے محبت نہ کرنا ناممکنات سے تھا۔ اب
صرف وقت کا سوال تھا۔ جوں جوں مدینہ کے لوگ آپ کو جانتے گئے جہاں دل
سے آپ پر تیار ہوتے گئے۔ اور یہ جوش آگ کی طرح قبائل میں پھیلا گیا
یہاں تک کہ ایک دن تمام عرب رسول خدا کے قدموں میں پڑا تھا۔ دنیا کا
کوئی شہنشاہ اپنے تاج و تخت کے زور سے اس اطاعت کا مرکز نہیں بن
سکا جس اطاعت کا مرکز یہ گڈی پوش تھا جس کی غبا میں اس کے اپنے ہاتھ
کے لگے ہوئے کئی بیوند ہوتے۔ آپ کے قبضے میں لوگوں کے دلوں کو مستحکم لینے
کی طاقت تھی۔ لیکن آپ میں وہ شرافت تھی جس نے سوائے نیکی کے اسے
کسی جگہ استعمال نہیں کیا۔

مدینہ منورہ جس کے کئی نام ہیں۔ مکہ سے شمال کی طرف گیارہ دن
کی مسافت پر واقع ہے۔ اُن دنوں یہ شہر بیرونی حملوں کے لئے بالکل کھلا
تھا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے قریش کے خوف سے اس کے گرد فصیل کھینچ

دی۔ یہ شہر ایک عالمی سردار نے آباد کیا تھا۔ اور آپ کے درود سے قبل اسی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ پُرانے زمانے میں شرب اور اس کے گرد فوج میں عالمی ہی آباد تھے۔ لیکن انہیں ان یہودی تو آبادوں نے مٹا دیا، جو بابلی، یونانی اور رومی ظلم و جور سے بھاگ بھاگ کر شرب میں پناہ گزین ہوئے، اور شمالی حجاز میں آباد ہو گئے۔ ان میں سے مقتدر ترین نوآبادیاں صرف تین تھیں: خیبر میں بنو نضیر، فک میں بنی قریظہ اور مدینہ کے متصل بنو قینقار۔ یہ لوگ مضبوط قلعوں میں رہتے تھے اور ہمسایہ عربی قبائل پر حکومت کرتے تھے، یہاں تک کہ دو قحطانی قبائل اوس اور خزرج شرب میں آباد ہوئے۔ انہوں نے پہلے تو یہودیوں کی محکومی قبول کر لی۔ لیکن آہستہ آہستہ انہیں باجگزار بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ آپس ہی میں ان کے چھٹنے شروع ہو گئے۔ اور زمانہ لغبت نبوت کے قریب ہی انہوں نے اس طویل جنگ کو ختم کیا اور امن قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

یہ تھی شرب کی سیاسی حالت۔ جب آپ یہاں آئے اور آپ کے درود سے شہر کے لئے ایک نیا دور شروع ہوا۔ اوس اور خزرج کی پرانی دشمنیاں اور خونریزیاں اخوت اسلامی نے بھلا دیں۔ وہ اسلام کے علم کے گرد جمع ہو گئے۔ اور دولت عامۃ اسلام کا قلب بن گئے۔ پرانے امتیازات مٹا دیئے گئے اور ہر اس شخص کے لئے جس نے آزمائش کے وقت اسلام کی مدد کی تھی انصار کا لقب تجویز ہوا۔ اس وفادار گروہ کے لئے جس نے اسلام کے لئے اپنا محبوب وطن چھوڑا اور شہرۂ ہائے قرابت کو توڑا، ہاجرین

کا نام تجویز ہوا۔

انصار اور مہاجرین کے تعلقات کو مضبوط تر کرنے کے لئے
آنحضرتؐ نے ان میں رشتہ اخوت قائم کیا جس نے دونوں کو شادی و
غم میں ایک دوسرے کا سا بھی بنا دیا ۔

غیرب کا نام بدل گیا اور اب وہ مدینۃ النبیؐ کہلانے لگا۔

جلد ہی ایک مسجد بنائی گئی جس کی تعمیر میں آنحضرتؐ نے بہ نفس نفیس
حصہ لیا۔ اس کے گرد مہاجرین کے مکانات کھڑے کیئے گئے۔ یہ زمین دو بھائیوں
کی ملکیت تھی جنہوں نے اسے بلا معاوضہ دیتا چاہا۔ لیکن چونکہ وہ یتیم تھے
اس لئے آپؐ اس کی قیمت ادا کر دی۔

مسجد کی عمارت سادہ تھی، اور اس سادہ مذہب کے لئے جس
کی آپؐ تعلیم دیتے تھے نہایت موزوں تھی۔ اس کی دیواریں اینٹ اور
گالے سے بنائی گئیں اور چھت کھجور کے پتوں سے مسجد کا ایک حصہ ان لوگوں
کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ جن کا اپنا کوئی گھر بار نہ تھا۔

اس غریبانہ عبادت گاہ میں ہر بات سادگی سے عمل میں آتی تھی۔
آنحضرتؐ خود تنگی زمین پر نماز ادا کرتے تھے۔ ایک کھجور کے تنے کے سہارے
وعظ کرتے اور ان دل ہلا دینے والے الفاظ کو سن کر آپؐ کے گرد جاں نثار
دل ایک ہم آہنگی سے حرکت کرنے لگتے۔

آپؐ فرماتے: جو شخص خدا کی مخلوق اور اپنی اولاد سے محبت نہیں
کرتا خدا اس سے محبت نہیں کرے گا۔ ہر مسلمان جو کسی شے کو کپڑے

پہنائے گا، خدا اُسے بہشت میں سب مخلعت پہنائے گا۔

ایک وعظ کے دوران میں آپ نے مسئلہ خیرات کو اس طرح بیان فرمایا: جب خدا تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ لرزتی اور کانپتی تھی۔ یہاں تک کہ خدا نے اس پر پہاڑ مسلط کر دیئے تاکہ وہ بختہ ہو جائے۔ فرشتوں نے حیران ہو کر پوچھا: اے خدا! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے زبردست بھی کوئی چیز ہے؟ خدا نے جواب دیا۔

”ہاں، لوہا زیادہ زبردست ہے کیونکہ وہ پہاڑوں کو توڑ سکتا ہے؟“
 ”اور کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز آگ بھی زیادہ زبردست ہے؟“
 ”ہاں، آگ زیادہ زبردست ہے جو اسے پگھلا دیتی ہے۔“
 ”اور کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز آگ سے زیادہ زبردست بھی ہے؟“
 ”ہاں! پانی جو اسے بجھا دیتا ہے۔“

”اے خدا! تیری مخلوق میں پانی سے زیادہ زبردست بھی کوئی چیز ہے؟“
 ”ہاں! ہوا جو پانی پر غالب آجاتی ہے اور اُسے اُڑائے لئے پھرتی ہے۔“
 ”اُسے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز ہوا سے زیادہ زبردست بھی ہے؟“

”ہاں! ایک نیک انسان سے جو دایم ہاتھ سے خیرات دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے چھپاتا ہے۔ وہ تمام مخلوق سے زبردست ہے۔“
 آپ کی خیرات کی تعریف ہر قسم کے رحم و کرم پر حاوی ہے۔
 ”اگر نیک کام خیرات ہے تمہارا اپنے بھائی سے خوش اخلاقی سے بولنا

خیرا ہے۔ اپنے ہم جنس کو نیکی کی تلقین کرنا خیرا ہے۔ مسافر کو راستہ بتانا
 خیرا ہے۔ اندھے کی دستگیری کرنا خیرات ہے۔ راستے سے کانٹے اور
 پھتر اٹھانا خیرا ہے۔ پیاسے کو پانی پلانا خیرات ہے۔ عقیقی میں انسان
 کی دولت وہ نیکیاں ہیں جو اس دنیا میں وہ اپنے ہم جنسوں سے کر جاتا ہے۔
 جب کوئی مرنے لگے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا چاہتا تھا؟ چھوڑا ہے۔ لیکن فرشتے
 جو اس کی قبر میں آئیں گے پوچھیں گے کہ تم نے کون سے نیک اعمال اپنے
 آگے بھیجے ہیں؟

ایک صحابی نے پوچھا "یا رسول اللہ! میری ماں ام سعد فوت ہو گئی
 ہیں۔ بہترین خیرات کون سی ہے جسے میں اس کی روح کو ثواب پہنچانے
 کے لئے دے سکتا ہوں۔" آپ نے صحرا کی تیش اور سیانی کی قلت کو مد نظر
 رکھتے ہوئے فرمایا "پانی اس کے لئے کنواں کھدواؤ اور پیاسوں کو پانی پلاؤ۔"
 اس نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا کہ "میں اسے اپنی ماں کے نام پر کھدواتا
 ہوں تاکہ اس کا اجر اس کی روح کو ملے۔"

اردنگ لکھتا ہے کہ زبان جو اہم ترین خیرات ہے اور جس پر عموماً
 بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ آنحضرتؐ اس کے متعلق خاص طور پر ہدایت فرماتے
 تھے۔ ابو جاریہ بصرہ کا ایک باشندہ مدینہ سے آنحضرتؐ کے پاس آیا۔
 اور ایمان لانے کے بعد آپ سے کوئی نصیحت کرنے کی استدعا کی
 آپ نے فرمایا "کبھی کے لئے بُرے الفاظ استعمال نہ کیا کرو۔" ابو جاریہ کہتا ہے
 کہ میں نے اس وقت سے لے کر کبھی کسی آزاد یا غلام کی بدگونی نہیں کی

اسلامی تعلیمات زندگی کی عام تواضعات تک پہنچی ہوئی ہیں۔ گھر میں داخل ہوتے وقت اور نکلنے وقت گھر والوں کو سلام کرو۔ دوستوں، آشناؤں اور مسافروں کے سلام کا جواب دو۔ سوار پیادہ چلنے والے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو چھوٹا گروہ بڑے گروہ کو، اور چھوٹا بزرگ کو سلام کرنے میں سبقت کرے۔

چوتھا باب

قریش اور یہود کی دشمنی

بِذَلِكَ اللَّهُ صَلَاتِي وَسَلَامِي أَبَدًا

لِنَبِيِّ عَرَبِيٍّ مَدَنِيٍّ حَرَمِ

شَمْسِ فَضْلٍ وَضِيَاءِ وَسَنَاءِ اسْتَقَى

فَوْزُ بَدْرِ وَبَهَاءِ وَسَمَاءِ الْكَرَمِ

اَلْكَرَمِ الْخَلْقِ وَجُودًا وَشُجُودًا وَهَجُودًا

اَحْسَنَ النَّاسِ سَخَاءً بِعَطَاءِ النِّعَمِ

ایہیں ۴۲۲ سے اس وقت مدینے میں تین مقتدر گروہ تھے۔ مہاجرین اور

۴۲۳ تک

انصار اسلام کا قلب تھے۔ رسول اللہ کے لئے ان

کی جاں نثاری اور محبت بے حد بڑھی ہوئی تھی۔ مہاجرین نے اپنے گھروں

کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنی تمام عربی روایات کے خلاف، اسلام کے لئے

غویش و اقربا کو رشتوں کو قطع کر دیا تھا۔ وہ تمام تکالیف میں ثابت قدم تھے

اور خدا کے لئے تمام تحریصات کو ٹھکرا دیا۔ ان میں سے اکثر بالکل

تہید ست تھے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا

اور بعض نے اپنے مال و متاع میں انہیں بھی برابر کا شریک کر لیا۔ **رہما اللہ**

کے تدبیر نے جو اخوت اسلامی قائم کی تھی جہاں اس نے جذبات رقابت کو
 روکا، وہاں مہاجرین و انصار دونوں میں ایک شریفانہ مقابلہ بھی کھڑا کر دیا۔
 خدا اور اس کے رسولؐ کی راہ میں اپنے مال و متاع قربان کرنے میں کون سبقت
 لے جاتا ہے جس جوش و سرگرمی سے یہ لوگ اسلام کی ترقی میں حصہ لے
 رہے تھے اور جس اشتیاق سے اپنی جانیں پیش کر رہے تھے، اس کی
 مثال مذہب عیسوی کے زمانہ نشو و ارتقا کے بعد دیکھنے میں نہ آتی تھی۔ دوسرا
 اہم گروہ منافقین کا تھا جس کا میلان خاطر زیادہ بیت پرستی کی طرف تھا۔ ان
 کا سرگروہ عبداللہ بن ابی تھا۔ جو مدینہ کی بادشاہت کا آرزو مند تھا۔ اس نے
 اپنے گرد ابوسفیان کی طرح اپنے طرفداروں کی ایک زبردست جماعت
 بنا رکھی تھی۔ وہ اپنی حکومت کا اعلان کرنے ہی والا تھا۔ کہ آنحضرتؐ کی آمد
 نے اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ عوام کے جوش نے اسے اور
 اس کی جماعت کو بھی اسلام کا نام نہاد اقرار کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن ذرا
 سا موقع بھی انہیں ہاتھ آجاتا تو بغاوت پر آمادہ ہو جاتے۔ وہ مسلمانوں
 کی زامیدہ جمہوریت کے لئے سخت خطرناک تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ کو
 ان کی طرف سے ہر وقت خدشہ رہتا تھا۔ آپ ان لوگوں کے ساتھ نہایت
 صبر و تحمل کا برتاؤ کرتے اس امید پر کہ انجام کار آپ انہیں مسلمان کرنے میں کامیاب ہو
 جائیں گے آپ کی یہ امید آخر کار پوری ہوئی۔ عبداللہ بن ابی کی موت پر منافقین کا گروہ کچھ مدت کے
 لئے نظروں سے غائب ہو گیا۔

دہلی حقوق

اسلام منافقین کا فرقہ کمال طور پر کبھی نابود نہیں ہوا۔ یہ سیاست اسلام پر ہمیشہ اپنی ہر قسم کی مداخلت کی جائے
 ہے۔ مثال کے طور پر افریقہ کے خارجی فرقہ پر غور کریں۔

تیسرا خطرناک ترین عنصر یہودیوں کا گروہ تھا۔ قریش سے ان کے بہت گہرے کاروباری تعلقات تھے، اور ان کی شاخیں مسلمانوں کے کئی دشمن علاقوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ابتدا میں یہ آنحضرتؐ کی تعلیمات کو کسی قدر استحسان کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ دو یقیناً ان کا موعود مسیحا تو نہیں ہو سکتا لیکن کسی وقت شاید یہی بلندی کے خواب دیکھنے والا کمزور اور غریب و اعظا اوس اور خراج کی مدد سے عرب کو فتح کرے۔ اور انہیں یہود واد کی سلطنت قائم کرنے کا موقع مل جائے۔ اسی خیال سے وہ آنحضرتؐ کا استقبال کرنے میں اوپر سے دل سے مدینہ والوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور کچھ مدت کے لئے صلح پسندانہ طرز عمل اختیار کئے رہے۔ لیکن یہ حقوڑی ہی مدت کے لئے تھا۔ کیونکہ بمشکل ایک عہدہ گزرا ہو گا کہ ان کے پرانے جذبات بغاوت بھڑک اٹھے۔ وہی خصلت جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے رسولوں کو مصلوب کر دیا تھا۔ اب علانیہ بغاوت اور خفیہ سازشوں میں ظاہر ہونے لگی۔ ورو مدینہ پر آنحضرتؐ نے پہلا کام یہ کیا کہ مختلف دشمن عناصر کو جو مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں آباد تھے، عہد و پیمان سے آپس میں متحد کر دیا۔ اس مقصد کے لئے آپ نے باشندوں کو ایک عہد نامہ عطا کیا جس میں مسلمانوں کے آپس میں اور مسلمانوں اور یہودیوں کے ایک دوسرے پر حقوق و واجبات صاف طور پر مقرر فرما دیئے۔ یہودیوں کو تہید سدا لات کے زیر اثر نہایت خوشی سے اسے منظور کر لیا تھا۔ یہ اور بعض نے اپشام کے اوراق میں تفصیلاً محفوظ ہے۔ اس انسان

کی حقیقی عظمت کی شاہد ہے ایک کامل انسان نہ صرف اپنے زمانہ کا جیسا کہ مور لکھتا ہے بلکہ تمام زمانوں کا۔ وہ کوئی پریشان خواب دیکھنے والا نہیں جو نظام معاشرت کے موجودہ اجزاء الگ الگ کر رہا ہو بلکہ ایک بے نظیر مدبر ہے جو اس یا اس انگیزا فتراق و شمسیت کے زمانہ میں اس سامان اور تدبیر کے ساتھ جو خدا نے اُسے فہمیا کر رکھے ہیں، انسانیت اور رحم دلی کی بنیاد پر ایک سلطنت، ایک جمہوریت، ایک معاشرے کی تعمیر کا بیڑا اٹھاتا ہے، اس عہد نامے کا پہلا حصہ جسے آزادی ضمیر کا پہلا باب کہنا چاہئے اس طرح شروع ہوتا ہے۔

”اللہ کے نام سے شروع کیا جاتا ہے جو رحمن و رحیم ہے۔ یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ خواہ وہ قریش ہوں یا ثیری اور ان کے علاوہ ان تمام افراد کے ساتھ خواہ وہ کسی قبیلہ یا قوم سے ہوں۔ لیکن مسلمانوں کے مقاصد سے متفق ہوں معاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ تمام ایک قوم شمار ہوں گے۔“ اس کے بعد چند قبائل سے دیت کی ادائیگی کے قواعد مقرر کئے گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کے آپس میں ذاتی فرائض کے قوانین بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ”صلح و امن تمام مسلمانوں کے لئے مشترک ہوں گے اپنے ہم مذہبوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی شخص کو بطور خود صلح یا جنگ کرے گا اختیار نہ ہوگا۔ یہودی جنہوں نے ہماری جمہوریت کے الحاق کر لیا ہے ہر قسم کی توہین و تشرؤ سے محتو ظار کھے جائیں گے۔ ان کو ملکی حقوق اور عہدے مسلمانوں کے برابر ملیں گے، اور انہیں ہر قسم کی مالدادی جائے

کی مختلف قبائل کے یہودی عوف، بخار، حارث، حشم، ثعلبہ، اوس
 اور دوسرے جو شرب میں آباد ہیں مسلمانوں کے ساتھ میل کر ایک قوم شمار
 ہوں گے۔ اور ان کو اپنے احکام مذہب کی بجا آوری میں ویسی آزادی ہو
 گی جیسی کہ مسلمانوں کو اور ان کے دستدار اور حلیف بھی اس آزادی میں
 تحفظ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ مجرم سے مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سزا دی
 جائے گی۔ شرب کو تمام دشمنوں سے بچانے کے لئے یہودی مسلمانوں کا
 ساتھ دیں گے۔ ان تمام لوگوں کے لئے جو اس عہد نامہ کو قبول کرتے ہیں اندرون
 شرب قابل احترام ہوگا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے دستدار اور حلیف قبائل
 کی ویسی ہی عزت کی جائے گی جیسی کہ ان کے سرپرستوں کی کی باقی ہے ہر
 سچا مسلمان اس شخص سے نفرت کرے گا جو کسی مجرم، نا انصافی یا تحریری کام کا
 مرتکب ہو۔ کوئی شخص مجرم کی امداد نہیں کرے گا۔ خواہ وہ اس کا قریب ترین
 رشتہ دار ہو۔ سلطنت کے چند انتظامی امور کے تذکرہ کے بعد یہ حیرت
 انگیز دستاویز اس طرح ختم ہوتی ہے: "آئندہ تمام جھگڑے جو ان لوگوں کے
 درمیان پیدا ہوں گے جنہوں نے اس عہد نامہ کو قبول کیا ہے فیصلے کے لئے
 رسول اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔"

اس طرح عربوں کی بدگلی کو ایک آخری جان لیوا دھچکا لگا۔ کیونکہ اس سے
 قبل مظلوم کو انتقام لینے یا انصاف کرانے کے لئے اپنی یا اپنے اقربا کی طاقت
 پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ اس عہد نامے کی رو سے آپ حاکم اعلیٰ
 مقرر ہوئے۔

۷ مئی ۱۹۴۷ء سے | بنی نصیر بنی قریظہ | اور بنی قتیقلہ کے یہودی
۲۶ اپریل ۱۹۴۷ء تک | قبائل جو مدینہ کے قرب و جوار میں آباد تھے، اس

عہد نامہ میں شامل نہ ہوئے لیکن کچھ مدت بعد انہوں نے بھی خوشی کے ساتھ
ان شرائط کو قبول کر لیا۔ لیکن آنحضرتؐ کے تمام الطاف و اکرام یہود کو کسی
طرح معطل نہ کر سکے۔ کوئی بات ان کے جذباتِ عداوت کو مٹا نہ سکی
اس بات سے ناراض ہو کر کہ وہ آنحضرتؐ کو تمام عرب کے یہودی بنائے
میں آلہ کار نہیں بنا سکتے۔ اور اس لئے کہ اسلام کے عقائدِ یہودیت کے
منقلبے میں نہایت سادہ ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں سے تعلقاتِ منقطع کر
لئے اور دشمن کی صف میں جا ملے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ بہت پرستی
اور اسلام میں سے کس مذہب کو پسند کرتے ہیں تو ان کا جواب اکثر عیبانی
کچھ بحثوں کی طرح ہی ہوتا کہ ہم بہت پرستی کو اس کی تمام برائیوں کے باوجود
پرترجیح دیتے ہیں۔ وہ بدزبانی پر اتر آتے۔ اپنی زبانوں کو بیل دسے دسے کر
قرآن کے الفاظ اور کلماتِ نماز کا تلفظ بگارتے اور انہیں بے معنی کر دیتے
یا کلماتِ کفر بنا دیتے۔ یہودی شہر جو اس وقت بہت کثرت سے موجود تھے۔
مذہب و شرافت کو بالائے طاق رکھ کر مسلمان مستورات کی شان میں نہایت
مکروہ اشعار کہتے لیکن اس سے بھی ان کا دل ٹھنڈا نہ ہوا اور انہوں نے
اس سلطنت کے دشمنوں کے پاس جس کی حفاظت میں وہ خود بھی تھے،
اپنی بیچے۔ قریش جو آنحضرتؐ کے قتل پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ عبداللہ بن ابی
سہل کے گروہ اور غدار اسرائیلیوں کی عتائیت سے مسلمانوں کی کمزور حالت سے بخوبی

واقف تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہودیوں نے وقتی ضرورت کے ماتحت
عارضی طور پر آنحضرتؐ سے اتحاد کیا ہے اور ان کے مدینہ کے قریب ظاہر
ہوتے ہی یہود وہاں کے پرستار مسلمانوں کو چھوڑ کر فوراً ان سے جا ملیں گے۔
چنانچہ اب مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش کا وقت آن پہنچا۔ آنحضرتؐ
شہر کے تحفظ اور مسلمانوں کی تنظیم سے ابھی فارغ نہ ہوئے تھے کہ حملہ
م شروع ہو گئے۔ تمام مدینہ بغاوت اور سازشوں سے بھر گیا۔ اب آنحضرتؐ
کا فرض تھا کہ شہر کو کسی ناگہانی اندرونی آفت سے بچاتے یا بیرونی حملہ کی نجات
کے لئے سخت تر وسائل اختیار کرتے۔ آپ صرف اسلام کے مبلغ ہی نہ تھے
بلکہ لوگوں کی جانوں اور آبادی کے محافظ بھی تھے۔ پیغمبر کی حیثیت سے آپ
دشمنوں کی بدزبانی اور دشنام دہی کو تو برداشت کر سکتے تھے لیکن سلطنت
کے حاکم کی حیثیت سے تقریباً ایک مسلسل جنگ کے جرنیل کی حیثیت سے،
جبکہ مدینہ کا نظم و نسق فوجی قوانین کے ماتحت عمل میں آ رہا تھا آپ اس دعا بازی
کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔ رعایا کے تحفظ کا فرض آپ کو مجبور کرنا تھا کہ آپ
ایسے گروہ کو دبا دیں جو شہر کو دشمنوں سے تاخت و تاراج کر دینے والا تھا
بلکہ جس نے کرا دیا۔ ملک کے تحفظ کا تقاضا تھا کہ ایسے غداروں کو قتل کر دیا
جائے جو مدینہ کے اندر بغاوت کا بیج پورہ ہے تھے یا اپنے مشترکہ دشمن کو
اطلاعات بہم پہنچا رہے تھے۔ تقریباً نصف درجن آدمی غدار قرار دے کر قتل
کر دیے گئے۔ یہم ان قتل کے واقعات کو قبل از وقت بیان کر رہے
ہیں۔

اس سے قبل کہ آنحضرتؐ کو خدا کی طرف سے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت ملے قریش کی فوجیں میدان جنگ میں آ پہنچیں۔

وہ جس نے تمام عمر میں کبھی ہتھیار نہ چلایا تھا جس کا دل انسانی ہیکل لطف دیکھ کر درد اور رگم سے بھر آتا تھا اور وہ جو عرب کے تمام آئین مردانگی کے خلاف اپنے بچوں اور اپنے متبعین پر رویا کرتا تھا جس کی نرم دلی اور جس کے درد مندانہ طرز عمل نے اسے دشمنوں سے نساہت کا طعنہ دلویا۔ وہی انسان حالات سے مجبور ہو کر اور اپنی طبیعت کے خلاف دشمن کے حملوں کو اسلحہ اور فوج سے روکتا ہے۔ اپنی حفاظت کے لئے اپنے متبعین کو منظم کرتا ہے، اور اکثر دشمن کے غدارانہ اور ناگہانی حملوں کی روک تھام کے لئے ہمتیں بھیجتا ہے، اس وقت عربی جنگوں کا یہی قاعدہ تھا کہ راستے کے وقت یا صبح کے دھند لکے میں دشمن کی بلا علمی میں خونریز چھاپے مارتے تھے۔ اگر دشمن خبردار ہوتا تو ایک ایک دودو آدمی مقابلے پر آتے یا ایک عام حملہ کر دیا جاتا۔ آنحضرتؐ کو اپنی قوم کی عادات کا پورا پورا علم تھا۔ اس لئے آپؐ ایسے ناگہانی حملوں کی مدافعت کے لئے چھوٹی چھوٹی ہمتیں بھیجتے رہتے تھے۔

حکیوں اور ان کے اتحادیوں نے مدینہ کے قرب و جوار پر حملے شروع کر دیئے۔ وہ مسلمانوں کے پھیلاؤ و رختوں کو تباہ کر دیتے اور ان کے گلوں کو ہانک کر لے جاتے۔ ابو جہل کی سرکردگی میں ایک ہزار سپاہیوں کی فوج جنگی ساز و سامان سے آراستہ مسلمانوں کے تباہ کرنے اور اپنے ایک قافلہ کی حفاظت کے لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئی مسلمانوں کو وقت پر اس کی

اطلاع مل گئی اور وہ تین سو کی تعداد میں کفار کی پیش بندی کے لئے بدر کی وادی میں پہنچ گئے۔ جب آنحضرتؐ نے کفار کی فوج کو نہایت متکبرانہ انداز سے وادی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر وفاداروں کے اس چھوٹے سے گروہ کے تحفظ کی دعا مانگی۔ اے خدا! اپنی امداد کے وعدہ کو نہ بھولنا۔ اے خدا اگر یہ چھوٹا سا گروہ فنا ہو گیا، تو تیری حقیقی عبادت کرنے والے کوئی نہ رہے گا۔

قریش کی فوج سے تین آدمی میدان میں نکلے اور عربوں کے دستور کے مطابق مسلمانوں سے مبارز طلبی کی۔ ان کے مقابلہ کے لئے حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ بڑھے اور فتحیات ہو کر واپس آئے۔ پھر عام حملہ کر دیا گیا جس میں مسلمانوں کے پاؤں ڈگمگاتے ہوئے معلوم ہوئے۔ لیکن آنحضرتؐ کے پرہیزش الفاظ نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ یہ سہرا کا ایک طوفانی دن تھا۔ وادی میں سخت آندھی کا ایک زبردست طوفان چل رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمانی فرشتے مسلمانوں کی طرف سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور بے شک آنحضرتؐ اور آپ کے متبعین کے ایماندار دل جو قدرت کے ہر عطیہ میں زندگی کے ہر شعبہ میں، انفرادی یا عمومی معاملات کے ہر تبدل میں خدا کے تعالے ہی کے ہاتھ کو کار فرما دیکھتے تھے۔ ان کے لئے ہوا اور ریت کا جھگڑا، دشمنان خدا کے ساتھ ایسے نازک موقع پر عناصر کی یہ جنگ خدا تعالیٰ کی امداد کا ایک پتہ ثبوت تھا۔ ان کے لئے ایسا ہی تھا جیسے فرشتے ہوا کے پروں پر سوار کفار کو نہایت ابتیری سے ہانکتے ہوئے لئے جا رہے ہیں۔ مکیوں کو شدید نقصان کے ساتھ

پسپا ہونا پڑا۔ ان کے بہت سے سردار مارے گئے جن میں ابو جہل بھی اپنے
غزور و تکبر کی سزا کو پہنچا۔

بہت سے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے جن میں سے صرف دو
کو قتل کیا گیا۔ یہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے، اس لئے عربوں کے قاتلوں
جنگ کے مطابق انہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑی۔

باقی قیدیوں کے ساتھ عربوں کے تمام دستور و روایات کے خلاف
نہایت رحمہ کی کاربند کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے تائیدی احکام جاری کئے کہ اس
مصیبت میں ان کی تحقیر نہ کی جائے۔ اور ان سے نرمی کا سلوک کیا جائے
جن مسلمانوں کے سپرد قیدی کئے گئے تھے انہوں نے آپؐ کی ہدایات پر
پوری طرح عمل کیا۔ یہ لوگ اپنا بہترین کھانا قیدیوں کو کھلا دیتے اور خود
صرف کھجوروں پر گزر اوقات کر لیتے۔

مال غنیمت کی تقسیم نے مسلمان سپاہیوں میں جھگڑے پیدا کر دیئے
آنحضرتؐ نے اُس وقت سب کو مساوی حصہ دے کر اس جھگڑے کو ختم
کر دیا۔ لیکن چونکہ ایسے جھگڑوں سے بے اصول لوگوں میں بات کے بڑھ جانے
کا امکان تھا اس لئے قرآن نے سورۃ انفال میں مال غنیمت کے متعلق ایک

آیہ موداس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے: "آنحضرتؐ کے احکام کی تعمیل میں مدینہ والوں اور
ان مہاجرین نے جن کا کوئی مکان مدینہ میں تھا، قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ زمانہ بعد میں ایک
قیدی نے کہا خدا کی رحمت ہو مدینہ والوں پر، وہ ہمیں سواری دیتے اور خود پیادل چلتے تھے اور ہمیں
گھسوں کی دہنی کھاتے، جب کہ وہ خود کھجوروں پر قناعت کرتے تھے۔" (بقرہ حاشیہ صفحہ ۸۵)

قطع فیصلہ دے کر ہمیشہ کے لئے ان جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے مطابق مال غنیمت رئیس جمہوریت کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا۔ اور کل مال کا پانچواں حصہ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کے لئے بیت المال میں داخل کرنے کا حکم ہوا۔ ان عجیب و غریب اتفاقات نے جو بدر کی فتح کا باعث ہوئے، اولین نتائج نے جو اس فتح سے پیدا ہوئے، مسلمانوں کے دل پر نہایت گہرا اثر کیا۔ انہیں یقین تھا کہ آسمانی فرشتوں نے ان کی طرف سے کفار کے ساتھ جنگ کی ہے۔

حضرت عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کی طرح آنحضرت بھی خدا تعالیٰ کے پیغامات انسان تک پہنچانے والی درمیانی ہستیوں کی موجودگی کے قابل تھے۔ فرشتوں کے متعلق جدید نظریے ہمارے آبا و اجداد کے عقائد کا بطلان کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ ہمارا انکار اور ان کا اقرار دونوں کا درجہ قیاس سے زیادہ نہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ ایک متنی ہے اور دوسرا مثبت۔ جس چیز کو زمانہ جدید کی نظریں عناصر قدرت کی صورت میں دیکھتی ہیں اس چیز کو وہ فرشتوں سے تعبیر کرتے تھے جو احکام ربانی کے حامل

بقیہ صفحہ گزشتہ اللہ میل لکھا ہے۔ یہ اس خاص طور پر قابل غور ہے کہ محمد مصطفیٰ کی فوج میں بدو کے مال غنیمت پر جھگڑا بالکل اسی طرح پر شروع ہوا جس طرح حضرت داؤد کی فوجوں میں غالی مال غنیمت پر ہوا تھا۔ جو لوگ جنگ میں شریک تھے وہ اس بات پر مصر ہوئے کہ مال و اسباب کی نگرانی کرنے والوں کو جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے، کوئی حصہ نہ دیا جائے۔ لیکن دونوں صورتوں میں ایک ہی فیصلہ دیا گیا۔ جو مستقبل میں قانون بن گیا کہ سب کو مساوی حصہ ملنا چاہیے۔

سمجھے جاتے۔ بھٹے یا جیسا کہ لاک کا خیال ہے۔ ممکن ہے ایسی درمیانہ ہستیوں کا وجود ہو جو خدا کے تعالے اور انسان کے درمیان کار فرما ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح انسان اور تخلیق حیوانی کی ادنیٰ ترین صورتوں میں موجود ہیں لیکن یہ ایک گہرا سوال ہے جہاں تک عقل انسانی کی رسائی محال ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی طرح آنحضرتؐ بھی ایک بدی کے مصدر (شیطان) کے وجود کے قائل تھے لیکن جب آپؐ کے الفاظ کا تجزیہ کیا گیا۔ تو یہ ایک نہایت حکیمانہ بات ظاہر ہوئی۔ اور لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک تصویر ثابت ہوئی جسے عام فہم الفاظ کا جامہ پہنایا گیا تھا۔ جب ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا کہ شیطان کہاں رہتا ہے۔ آپؐ فرمایا: ”انسان کے دل میں“

نوٹ

عقبہ بن ابومعیط کی فریاد پر جب کہ اسے مثل کی طرف سے جارہے تھے آنحضرتؐ کے غیر ہمدردانہ جواب کا فسانہ بالکل بے بنیاد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب آخری وقت اس نے کہا ”میرے بعد میرے بچوں کی خبر گیری کون کرے گا۔“ تو آنحضرتؐ نے جواب میں کہا کہ ”جہنم کی آگ“ یہ افسانہ آپؐ کے حقیقی طرزِ عمل کو بر نظر رکھتے ہوئے اپنی تکذیب آپؐ کو رہا ہے۔ وہ شخص جس کا نمایاں ترین وصف بچوں سے محبت کرنا تھا۔ وہ جو یتیموں سے شفقت

اور اُن کی سرپرستی کرنا انسانیت کا اولین فرض سمجھنا تھا اور وہ جو خدا کے نزدیک مقبول ترین عمل اسی کو سمجھنا تھا۔ ایسے شخص کے متعلق اس واقعے کو منسوب کرنا سخت غلطی ہے لیکن چونکہ عیسائی مصنفین اس واقعے کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس حقیقت کو بے نقاب کیا جائے :

اس کی اصلیت غالباً "صبیۃ النار" (آگ کے بچے) ہے۔ کیونکہ عقبہ کے بچے اس نام سے پکارے جاتے تھے عقبہ خود قبیلہ اجلان سے تھا جس کی ایک شاخ وادی صفرا کے قریب آباد تھی۔ یہ لوگ "بنی النار" (آگ کی اولاد) کہلاتے تھے اس بنیاد پر یہ قصہ وضع کر لیا گیا ہے۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ رنگ آمیزی کے بعد آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ کفار کے مردوں کو دفن کرتے وقت آپؐ نے انہیں سخت اور درشت الفاظ سے مخاطب کیا۔ طبری اس واقعہ کو جس سے یہ الزام تراشا گیا ہے۔ اس طرح بیان کرتا ہے : آنحضرتؐ اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو گئے جو ان لعشوں کو دفن کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ ہر ایک لعش کو قبر میں اتارنے کے وقت اس کا نام بتایا گیا۔ پھر آپؐ نے

یہ الفاظ فرمائے۔ "اے میرے اقربا! تم نے مجھے جھوٹا کہنا جبکہ
 دوسرے عجب پر ایمان لائے۔ تم نے مجھے گھر سے نکال دیا جب
 کہ دوسروں نے میرا استقبال کیا۔ آہ تمہارا کیا انجام
 ہونے والا تھا۔ افسوس۔ خدا کا وعدہ پورا ہو کے رہا۔" یہ
 الفاظ جو صریحاً رحم و تأسف کے لئے کہے گئے تھے ظلم و
 درشتی سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ ❖



The Invasion of Medina by the Korish

پانچواں باب

یہودیوں اور عربوں کی دشمنی

قریش کا مدینے کی فتح کرنا
۲۷ مطابق ۶۲۴ء میں پیر حاکم نے

كَالْذَّهْرِ فِي شَرْفٍ وَالْبَدْرُ فِي شَرْفٍ

وَالْبَحْرُ فِي كَرَمٍ وَالْذَّهْرُ فِي هَمَمٍ

۲۷ | کامیابی سچائی کی بہترین کسوٹی ہے عیسائیت کے ابتدائی زمانے میں بھی اس نیک فریسی نے کہا تھا "انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگر یہ لوگ جھوٹے ہیں تو خود بخود نابود ہو جائیں گے۔ ورنہ تم خود تباہ ہو جاؤ گے" اگر قسطنطین نے آسمان پر صلیب نہ دیکھی ہوتی یا اسے یہ خیال نہ ہو گیا ہوتا کہ اس نے آسمان پر صلیب دیکھی ہے۔ اگر وہ اس کی حمایت میں جادہ فسخ و کامرانی پر گامزن نہ ہوتا اور اگر یہ جادہ فتح و کامرانی تحت حکومت تک اس رہبری نہ کرتا تو عیسائیت کا جو شہر ہونا وہ ظاہر ہے جو اہمیت فتح بدر کو اسلام کے لئے حاصل ہے وہی اہمیت طوین کے ٹل کی فتح عیسائیت کے لئے رکھتی ہے آئندہ عیسائیت قیصر کے تخت سے حکومت کرنے لگی۔

بدر کی فتح مسلمانوں کے لئے واقعی نہایت مبارک ثابت ہوئی۔ مقام

تغیبت نہیں کہ انہوں نے بھی قدیم اسرائیلیوں اور عیسائیوں کی طرح اپنی فتح
 میں خدا کا ہاتھ کار فرما دیکھا۔ اگر اس جنگ میں مسلمان ناکام رہتے تو یقیناً اس
 کا نتیجہ ان کے حق میں ایک عالمگیر خونریزی کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

اسی مہم کے دوران میں آپ کی ایک صاحبزادی رقیہ وفات پا
 گئیں جو حضرت عثمان سے بیاہی ہوئی تھیں اور جس کو حبشہ سے واپس
 آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ لیکن کفار نے جو آتش انتقام سے جل رہے
 تھے، آپ کو اس خانگی غم میں جھٹ لینے کی فرصت نہ دی۔ جب قریش کے
 تمام قیدی اپنے وطن میں واپس پہنچ گئے۔ تو ابوسفیان دوسو سوار لے کر
 مکہ سے نکلا اور قسم کھائی کہ جب تک محمد صلم اور آپ کے متبعین سے انتقام
 نہ لے لوں گا واپس نہ لوٹوں گا۔ وہ جلد جلد یلغار کرتا ہوا مدینہ سے چند میل
 کے فاصلے پر پہنچا اور انسانوں کو قتل کرتا ہوا اور نخلستانوں کو تباہ کرتا ہوا
 بے خبر مسلمانوں پر ایک بلا کی طرح نازل ہو گیا۔ مکہ والے دوران جنگ
 کے لئے سولق رستوں کے پتیلے ساتھ لائے ہوئے تھے جو نہی مسلمان اپنے
 مقتولوں کے انتقام کے لئے مدینہ سے نکلے، اہل مکہ نے پیچھے پھیر لی اور
 بھاگے، اور اپنے جانوروں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے سولق کے پتیلے
 راستے میں گراتے گئے۔ اس سے مسلمانوں نے اس جنگ کا نام غزوۃ
 السولق رکھا۔

۵۷ ذی الحج | اس موقع پر ایک واقعہ پیش آیا جسے واشنگٹن روزنگ نے
 یکم اپریل ۱۹۲۲ء | نہایت اچھی طرح بیان کیا ہے۔ ایک روز آنحضرت ایک

درخت کے نیچے اپنی فوج سے دُور بچو استراحت تھی کہ کسی آواز سے آپ کی
 نیند اُچٹ گئی۔ دیکھا تو غورث بن الحراثت ایک دشمن سپاہی تلوار کھینچ کر
 کے سر پر کھڑا ہے اور کہتا ہے۔ اے محمد اب تمہیں بچانے والا کون ہے؟
 آپ نے فرمایا "خدا" اس بات سے بدوی کے دل پر کچھ ایسا رعب چھا
 گیا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ نے جلدی سے اٹھالی اور فرمایا
 "اے غورث! اب تمہیں بچانے والا کون ہے؟" سپاہی نے جواب دیا
 افسوس! کوئی نہیں۔" تو پھر مجھ سے رحم کا سبق سیکھو۔ یہ کہتے ہوئے آپ
 نے تلوار واپس کر دی۔ اس برتاؤ کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو
 گیا۔ اور مستقبل میں آنحضرتؐ کا جاں نثار پیرو ثابت ہوا۔

لیکن کفار اور مسلمانوں کے درمیان یہ چھیڑ چھاڑ آئندہ عظیم الشان
 جنگوں کی صرف ایک تہید تھی۔

۳۔ کفار انتقام کی آگ میں جلے جاتے تھے۔ وہ مسلمانوں
 کے ساتھ ایک اور جنگ کے لئے نہایت خوفناک
 ۲۴ اپریل ۶۲۴ء سے
 ۱۵ اپریل ۶۲۵ء تک
 تیار پاں کر رہے تھے۔ ان کے سفیر قبائل تمامہ اور کناز
 کی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور ان کی متحدہ فوجیں جن کی تعداد
 تین ہزار سامان جنگ سے آراستہ سپاہیوں تک پہنچتی تھی جن میں سات
 سوزہ پوش جنگ بوجھتے۔ صرف ایک جذبہ انتقام سے متاثر ہو کر
 میدان میں نکل آئی تھیں۔

یہ فوج سنگدل اوسفیان کی سرکردگی میں بغیر کسی رکاوٹ کے مدینہ

کے شمال مشرق کی طرف ایک منتخب جگہ پر ٹھہر گئی۔ اب اُن کے اور تندر
کے درمیان صرف کوہ اُحد اور ایک وادی حائل تھی۔ اس محفوظ جگہ وہ مدینہ
والوں کے کھیتوں اور تختانوں پر چھاپے مارتے تھے۔

اپنے مال و املاک کی تباہی کو دیکھ کر مسلمان غضب ناک ہو گئے ان
کے بوش سے متاثر ہو کر آنحضرت ایک ہزار مسلمانوں کی فوج لے کر مدینہ سے
نکلے۔ یہودیوں کی دشمنی اس نازک موقع پر ظاہر ہوئی۔ اور عبداللہ بن ابی
اپنے تین سو منافقین کی جمعیت لے کر واپس چلا گیا۔ اب مسلمانوں کی فوج
صرف سات سو افراد تک رہ گئی۔ جن کے پاس صرف دو گھوڑے تھے لیکن
پھر بھی جانبازوں کا یہ دستہ نہایت استقلال سے بڑھتا گیا۔ اور درختوں کے
جھنڈوں سے پناہ لیتا ہوا اُحد کی پہاڑی پر قابض ہو گیا۔ رات نواہنوں نے
گھائی میں گزاری اور علی الصبح نماز سے فارغ ہو کر اور ہتھیار لگا کر
میدان میں نکل آئے۔ آنحضرت خود پہاڑی کے عین نیچے کھڑے ہو گئے۔ اور ذرا

سہ برٹن لکھتا ہے: تاریخ اسلام کا یہ مشہور ترین مقام کوہ اُحد کے جنوب کی طرف ایک تثیب قطعہ زمین
ہے۔ کفاس کی فوجیں ہوسفیان اور اس کے بول کو قلب میں لئے ہلال کی شکل بنائے ہوئے آتیں۔ یہ مقام مدینہ سے
شمال کی طرف تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ تمام زمین سرخ ریت کے پتھروں کے ڈھیروں سے بھری ہوئی
ہے۔ بوشہرا کی قبروں کے نشان ہیں۔ اس مقام سے پہاڑی پر نظر ڈالو تو عجیب ہیئت چھا جاتی ہے۔ اس کے
جلے اور کٹے ہوئے پہلو سے کھدوں کی طرح میدان سے اُٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور اس مضبوط
دیوار میں صرف ایک ہی تنگ گلی ہے جس میں مسلمانوں نے اپنے تیرافزاروں کی نافرمانی کی وجہ سے خالد بن ولید
کے حملے سے پسپا ہو کر پناہ لی تھی۔ اس کی جلادینے والی ٹوہیں کوئی درخت جھاڑی یا گھاس کا ایک پتہ تک
نظر نہیں آتا۔ کوئی پتہ یا جھیاں، کسی جاں گسل اور گرم سطح پر قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کسی تنگی اور صاف
پیشانی پر نیلا اور شفاف آسمان گھونٹا ہوا نظر آتا ہے، اور اس نظارہ کو اور بھی بھیاں کس بنا دیتا ہے *

بلندی پر فوج کی پشت پر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرما دیا تھا کہ وہ دشمن کے رسالہ کو اپنی زد میں رکھیں اور مسلمانوں کے پہلو پچائے رکھیں۔ انہیں تاکید دی احکام دے گئے کہ خواہ لڑائی کا نتیجہ کچھ ہو وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ قریش اپنی کثرت تعداد پر نازاں اپنے بتوں کو اٹھائے میدان میں اترے۔ امراء و رؤسا کی ہویاں رجز گاتی اور دفین بجاتی ہوئی آگے آگے چلیں۔ قریش کا پہلا حملہ حضرت حمزہ کے ماتحت دستہ نے نہایت بہادری سے پسپا کر دیا۔ آپ دشمن کی بہتری سے فائدہ اٹھا کر ان کے قلب میں گھس گئے اور صفوں کی صفیں الٹ ڈالیں۔ مسلمانوں کی فتح کا تقاریر بچنے ہی والا تھا کہ ان کا تیر انداز دستہ کفار کو بھل گئے ہوئے دیکھ کر آنحضرت کی تمام ہدایات کو بھول گیا اور مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ خالد بن ولید جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے، مسلمانوں کی غلطی کو بھانپ گئے اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے اپنے سواروں کے ساتھ مسلمانوں کے عقب پر حملہ آور ہوئے۔ کفار کی پیادہ فوج بھی پٹی اور مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کے کئی دوسرے بہادر سردار شہید ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے کفار کی رجز کا جواب اپنی تلوار سے دیا تھا۔

۱۔ ابن الاثیر نے ان اشعار کا نقل کیا ہے جلد دوم صفحہ ۱۱۸۔ ”بڑھے چلو عبداللہ کی اولاد! ہمت کرو اسے عورتوں کے محافظ اور اپنی تلواریں دشمن کے سینوں میں پوست کر دو“ ”ہم شہداء صبح و طارق کی بیٹیاں ہیں ہم ریشمی قالینوں پر چلنے والی ہیں۔ دشمن کے ساتھ دلیری سے لڑو گے تو ہم تمہیں آغوش میں لے لیں گی، اور اگر تم پیٹھ دکھا گئے تو ہم نفرت سے منہ پھیر لیں گی“۔
۲۔ طبری لکھتا ہے کہ کفار کا ایک مشہور بہادر سردار طلحہ اپنی تلوار گھماتا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا اور اسے اس طرح مبارک طلبی کی ”وتم مسلمان کہتے ہو کہ ہمارے مقتول دوزخ میں جاتے ہیں اور تمہارے بہشت میں۔“ او! میں دیکھوں کہ تمہیں بہشت میں بھیج سکتا ہوں یا نہیں۔“ آپ

اور حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ سخت زخمی ہوئے۔ کفار تمام طرف سے آنحضرتؐ پر ٹوٹ پڑے جو قوج سے الگ چند جاں نثاروں میں گھرے کھڑے تھے یہ لوگ کٹ کٹ کر آپ کے گرد گر رہے تھے۔ آپ زخمی ہو رہے تھے، اور خون بہہ رہا تھا۔ لیکن اس وقت بھی آپ ان محبت کرنے والے دلوں کو نہ بھڑکتے اور ان ہاتھوں کے لئے دعائے رحمت فرمائی جو آپ کی بیشیانی سے خون بند کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن مدد نزدیک ہی تھی حضرت علیؓ جو چند بہادروں کے ساتھ دشمن کے قلب میں جان توڑ کر پڑے تھے دشمن کے زہر سے نکل کر ایک محفوظ مقام پر پہنچے ہیں کامیاب ہو گئے۔ آپ آنحضرتؐ کی شہادت کی رے بنیاد، خبر سے سخت غمزدہ ہو رہے تھے لیکن مسلمانوں کی ایک اور جماعت کو کچھ فاصلے پر دیکھ کر یہ بھی ہمراہیوں سمیت دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے۔ اور جب دیکھا کہ آنحضرتؐ ابھی تک زندہ ہیں تو ایک جان توڑ کوشش کے ساتھ آپ انہیں اُحد کی بلندیوں پر پہنچائے گئے حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی لے آئے جس سے آنحضرتؐ کے چہرے اور زخموں کو دھویا گیا اور یہیں سب نے مل کر بیٹھے بیٹھے ظہر کی نماز ادا کی۔

قریش میں اب اتنی مسکت نہ تھی کہ مدینہ کی طرف بڑھنے یا اُحد کی بلندیوں پر چڑھ کر مسلمانوں سے لڑتے، اس لئے مسلمان شہداء کی برید اعفا کے بعد

(بقیہ صفحہ گزشتہ) نے فرمایا "بہت اچھا" حضرت علیؓ نے اسے زمین پر گرا لیا تو ظلمہ بکرا رہا کہ

اے میرے ابن عم! آپ نے فرمایا "اچھا" جس پر ہی سہی کیونکہ تو دوزخ کی آگ کے قابل نہیں۔"

وہ مدینہ کی حدود سے نکل گئے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے اس وحشیانہ انتقام کے کام میں سب سے زیادہ اظہارِ جوش کیا۔ اس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چیر کر دل نکال لیا اور دوسرے شہداء کے ٹاکوں اور کانوں کا ہار بنا کر گلے میں پہنا۔

قریش کی اس وحشیانہ حرکت نے مسلمانوں کے جذبات سخت برانگیختہ کر دیئے خود آنحضرتؐ اس قدر متاثر ہوئے کہ آپؐ نے اعلان کر دیا کہ آئندہ کفار کے مقتولوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔ لیکن رحم و کرم اس غصہ پر غالب آگیا۔ اور آپؐ نے فرمایا۔ دشمن کی بدسلوکیوں کو صبر سے برداشت کرو۔ بے شک صابر ہی سلاحِ پائیں گے۔ اور اس دن سے وحشت و بربریت کا یہ عمل جو اس وقت تمام قوموں میں رائج تھا، مسلمانوں کے لئے ممنوع قرار دیا گیا۔

مدینہ میں واپس آکر آنحضرتؐ نے ایک دستہ قریش کے تعاقب میں روانہ کیا تاکہ قریش پر ظاہر ہو جائے کہ شدید نقصان اٹھانے کے باوجود مسلمانوں کی ہمتیں پست نہیں ہوئیں، اور ان کی رُوح ویسی ہی تازہ دم ہے جتنی ابوسفیانؓ نے جب تعاقب کے متعلق سنا تو مکہ کی طرف بھاگا لیکن راستہ میں مدینہ کے دو باشندوں کو شہید کرنا لیا۔ ساتھ ہی ایک پیغام آنحضرتؐ کو بھیجا کہ میں تمہیں اور تمہارے متبعین کو دنیا سے نالود کرنے کے لئے جلد ہی لوٹوں گا۔

سہ ہود اپنے قیدیوں کو زندہ جلا دیا کرتے تھے اور نہایت بربریت سے مٹا دیا کرتے تھے یونانی

رومی، اور ایرانی بھی یہی عمل کیا کرتے تھے عیسائیت میں سولہویں صدی تک یہ عمل جاری رہا۔

لیکن پہلے کی طرح اب بھی پُر اِیمان و اِیقان جواب دلا۔ خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہترین محافظ ہے۔“

اس تباہ کن جنگ کا اثر ہمسایہ خانہ بدوش قبائل کی جنگی تیاریوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ان میں سے اکثر آنحضرت کے اس باہمت کام سے مرعوب ہو گئے۔ لیکن بعض قبائل مسلمان مبلغوں کو دھوکے سے اپنے ہاں لے جاتے اور وہاں قتل کر دیتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر بیشتر مسلمان نہایت دعا بازی سے بیڑ معونہ کے قریب شہید کر دیئے گئے۔ یہ جگہ قبائل بنی عامر اور بنی سلیم کی آبادی کے قریب ہے۔ اور اس میں مؤخر الذکر کا خاص طور پر ہاتھ تھا۔ ان شہداء میں سے دو آدمی بچ گئے۔ ایک مدینہ کی طرف آیا۔ اُسے راستے میں بنی عامر کے دو غیر مسلح آدمی بلے بوج آنحضرت کی پناہ میں سفر کر رہے تھے۔ لیکن لاعلمی میں اس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ آنحضرت کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ آپ کے ایک پیرو سے ایسی شدید غلطی ہوئی ہے۔ گو یہ غلطی لاعلمی میں سرزد ہوئی لیکن آپ نے مقتولین کے وارثوں کو تحویل بہادینے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مسلمانوں اور دوسرے معاد قبائل سے دیت اکٹھی کر کے لئے احکام جاری کیئے گئے۔ بنی نضیر، بنی قریظہ اور دوسرے قبائل اس کی ادائیگی کے لئے مسلمانوں کے ساتھ برابر کے ذمہ دار تھے۔ آنحضرت خود مع چند متبعین کے بنی نضیر میں تشریف لے گئے اور ان سے چندہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے بظاہر اس مطالبہ کو منظور کر لیا، اور آپ سے قدرے توقف کرنے کی فرمائش کی۔ آپ ایک مکان کی طرف پشت کیئے بیٹھے

نختے کہ مکینوں کی پُر اسرار نقل و حرکت نے ان کے قاتلانہ منصوبے کو آپ پر ظاہر کر دیا۔

لیکن یہودیوں کی دشمنی کی تفصیل کے لئے ہمیں پھر گزشتہ واقعات سے رجوع کرنا پڑے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ کے ورودِ مدینہ سے لے کر کس سگ صفتی سے وہ آپ کے ہر قدم پر رکاوٹیں ڈالتے رہتے وہ آپ کے متبعین میں بدظنی کا بیج بونے کی کوشش کرتے۔ وہ آپ پر اور آپ کے متبعین پر اتہامات لگاتے۔ وہ قرآنِ کریم کے الفاظ کو غلط تلفظ سے ادا کرتے اور ان کا مفہوم بگاڑ دیتے۔ لیکن اسی پر بس نہیں۔ وہ اپنی اعلیٰ تعلیم کی مدد سے، اگر وہ منافقین کے اتحاد سے اور اس اتفاق سے جو بخلاف عربوں کی نا اتفاقی کے ان میں موجود تھا۔ وہ اسلام کے لئے ایک خطرناک ترین عنصر ثابت ہو رہے تھے۔ غیر ترقی یافتہ اقوام میں شعراء کی وہی حیثیت اور وہی اثر ہوتا ہے جو موجودہ زمانہ میں اخبارات کو حاصل ہے۔ یہودی شعراء اپنی اعلیٰ تربیت کی وجہ سے مدینہ والوں میں بہت با اثر تھے۔

اسے شعراء کے اثر کی مثال مندرجہ واقعے سے ثابت ہوگی جس کا تعلق جنگِ اُحد سے ہے۔ جنگ کی تیاری کے دوران میں قریش نے ایک شاعر ابوہریرہؓ سے استدعا کی کہ وہ قبائلِ صحرا میں ایک خط لکھے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف ابھار کر جنگ پر آمادہ کرے۔ یہ شخص جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو گیا تھا لیکن آنحضرتؐ نے بغیر قیدیہ اسے اس شرط پر رہا کر دیا تھا کہ آئندہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے گا۔ لیکن اس نے اپنے وعدہ کے خلاف قبائل میں جا کر انہیں جنگ پر آمادہ کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ جنگِ اُحد کے بعد وہ پھر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

اور یہ اثر مسلمانوں میں بغاوت کا بیج بونے، اور مخالفین کی دشمنی کو بڑھانے پر صرف کیا جاتا تھا۔ بدر میں کفار کی شکست کو یہودیوں نے بھی اسی طرح محسوس کیا جس طرح مکیوں نے کیا تھا۔ اس جنگ کے فوراً ہی بعد ان کی قوم کا ایک معزز فرد کعب بن اشرف جو قبیلہ نضیر سے تھا برسرِ عام کفار کی شکست پر افسوس کرتا ہوا ملک کو روانہ ہو گیا۔ وہاں لوگوں کے غم و غصہ سے فائدہ اٹھا کر اُس نے اُن کی ہمت بندھانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ اُس نے آنحضرتؐ اور آپ کے متبعین کی جہیں سناسنا کر اور کفار کے مقتولین کے لوحے اور مرثیے گا گا کر قریش میں وہ جوش و غضب پیدا کیا جو میرا اُحد میں ظاہر ہوا۔ جب اس کا مطلب پورا ہو گیا، تو وہ بنی نضیر کے قلعہ میں واپس چلا آیا۔ اور آنحضرتؐ اور آپ کے متبعین کے متعلق نفرت انگیز اشعار کہتا رہا۔ مسلمانوں کی مستورات بھی اس کی ناپاک شاعری کے حملوں سے محفوظ نہ رہیں۔ اس کے الفاظ صریحاً اس دولتِ عامہ کے خلاف تھے جس کا وہ خود ایک فرد تھا۔ وہ اس قبیلہ کا فرد تھا جو مسلمانوں کے عہد نامہ کو قبول کر چکے تھے اور سلطنت کے اندرونی اور خارجی تحفظ کے ذمہ دار تھے۔ بنی نضیر کا ایک اور یہودی الورا فح سلام بن ابوالحقیق بھی مسلمانوں کی دشمنی میں اس کا ہم پلہ تھا۔ وہ اپنے قبیلے کی ایک شاخ کے ساتھ جو خیمہ کے نزدیک آباد تھی، مدینہ سے شمال مغرب کی طرف چار پانچ دن کی مسافت پر رہتا تھا۔ اس نے اپنے ہم سایہ عرب قبائل مثلاً سلیم اور غطفان کے ابھارنے میں پورا زور لگادیا۔ اب دولتِ عامہ اسلامیہ کے لئے ان لوگوں

کی دغا بازیوں کو برداشت کرنا ناممکن ہو گیا تھا جن کی ہر طرح پاسداری کی گئی تھی کہ اگر وہ مدد نہیں کر سکتے تو کم سے کم غیر جانبدار رہیں۔ اب مسلمانوں کی ہستی تک خطرے میں پڑی ہوئی تھی اور تحفظ کا ہر اصول اس بات کا متقاضی تھا کہ ان بخدارانہ سازشوں کو خاموشی سے دیا دیا جائے۔ مدینہ والوں نے متفقہ طور پر انہیں بغاوت کی سزا کا مستوجب قرار دے دیا۔ ایک کو بنی اوس کے ایک فرد نے اور دوسرے کو ایک خزرجی نے کیفر کردار تک پہنچایا۔

عیسائی مناظرین اس سزا کو خون سے تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ اس کی انجام دہی کے لئے دو مسلمانوں کو خفیہ طور پر بھیجا گیا تھا اس لئے وہ رسول اللہ سے تعصب کی بنا پر اس سزا کے مبینی برانصاف ہونے اور اس کے یہ تعجیل اور راز دارانہ طریق پر انجام پانے کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اس وقت کوئی پولیس یا منصفوں کی عدالت نہ تھی۔ اور نہ کورٹ مارشل کا وجود تھا کہ وہ مجرم افراد کے مقدمہ کی سماعت کرتا۔ حکومت کے کسی خاص مقررہ کردہ جلاّد کی عدم موجودگی میں کوئی سافر ان فرالض کو انجام دے سکتا ہے۔ ان لوگوں نے عہد نامہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ انہیں برسر عام زیرِ حراست کرنا یا ان کے قبیلوں کے سامنے سزا دینا ایک شدید خونی بزدلی اور غیر متناہی سلسلہ انتقام کھڑا کر دینے کے بغیر بالکل ناممکن تھا۔ حکومت کے حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ جو کچھ بھی ان باغیوں کے متعلق کرنا ہے فوراً کیا جائے اور نہایت خاموشی سے کیا جائے (حاشیہ بر صفحہ ۱۱۱)

کیونکہ حکومت کی بقا اور شہر کی امن و سلامتی اس بات پر منحصر تھی کہ مجرموں کو فوراً سزا دی جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے قبائل کو اپنے گرد جمع کر لیں۔

شوال ۱۲۴۰ء | ان دو غداروں کے حشر اور بنی قنیقار کے مدینہ سے نکلنے
فروری ۱۲۴۰ء | نے آنحضرتؐ کے خلاف بنی نضیر کی دشمنی کو اور بڑھا دیا

بنی قنیقار کی جلاوطنی کے اسباب محل سے بیان کے محتاج ہیں، دوسرے یہودی قبائل عموماً زراعت پیشہ تھے لیکن بنی قنیقار کا ایک بھی کھیت یا نخلستان نہ تھا۔ وہ عام طور پر صنّاع تھے جو ہر قسم کی صنعت و حرفت میں مجتہد لیتے تھے۔ وہ سازشی اور بے اصول تھے اور اسکندریہ کے یہودیوں کی طرح ہر وقت لڑائی لڑنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور اپنے نسبت اخلاق کی وجہ سے ہر جگہ مشہور تھے۔ ایک دن ایک دیہاتی نوجوان لڑکی دودھ پینے کے لئے ان کے بازار میں گئی۔ نوجوان یہودیوں نے اُس کی سخت توہین کی ایک مسلمان راہ گیر نے لڑکی کی حمایت کی جس پر بلوہ ہو گیا۔ اور اس بے حرمتی کا باغی مارا گیا۔ اس پر تمام یہودی اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسلمان کو قتل کر دیا۔ اب ایک خوفناک نظارہ پیش نظر ہو گیا۔ مسلمانوں نے اپنے بھائی کے قتل پر مشتعل ہو کر ہتھیار سنبھال لئے جس پر خون کی ندیاں بہ نکلیں اور طرفین کے

ملہ ہمارے عیسائی مورخین اس بات کو قبول جلاتے ہیں کہ عقلمند سولن (Solon) نے بھی اپنے چھوٹے سے شہر کے تحفظ کے لئے ایٹھنزدلوں کو مجبور کر دیا تھا کہ یا تو وہ جلاد کے فریض انجام دیتے ہوئے مفسدوں کا تعاقب کریں یا خود دونوں گرد ہوں، میں سے ایک میں شامل ہو جائیں، ورنہ اس بات کو بھی قبول جاتے ہیں کہ عیسائی انگلستان کا قانون شہر جس کو اجازت دیتا ہے کہ وہ باغی کا پیچھا کرے اور اسے قتل کر دے

بہت سے آدمی مارے گئے۔ آنحضرتؐ خبر سنتے ہی موقع پر پہنچے اور اپنے اثر سے
 مسلمانوں کا جوش بھڑا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپؐ نے ان نتائج پر غور کیا۔
 جو ان سازشوں اور قانون شکنیوں کے اثر سے پیدا ہونے والے تھے۔ اگر ان کا
 سد باب نہ ہوتا، تو مدینہ ایک ایسا اکھاڑہ بن جاتا جس میں دشمن گروہوں کے
 افراد ایک دوسرے کو نہایت بے رحمی سے قتل کرتے نظر آتے۔ یہودیوں نے
 کھلم کھلا اور بھان بوجھ کر محمدؐ نامے کی شرائط کو توڑا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ ایک
 مضبوط ہاتھ محمدؐ شکنی کو فوراً روک دے یا امن و سلامتی کی تمام امیدوں کو الوداع
 کہہ دی جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ بنی قریظہ کے علاقہ میں تشریف لے گئے۔ اور
 ان سے مطالبہ کیا کہ یا تو اسلام قبول کر کے پوری طرح دولتِ عامہ اسلام میں
 داخل ہو جاؤ یا مدینہ کو خالی کر دو۔ یہودیوں نے نہایت اشتعال انگیز جواب
 دیا۔ اے محمدؐ! اپنی قوم پر فتح حاصل کر کے پھول نہ جاؤ۔ تمہیں ایسے لوگوں
 سے سابقہ پڑا تھا، جو فتوں جنگ سے بے بہرہ تھے۔ اگر تمہاری خواہش ہو تو
 ہم تمہیں بتا دیں گے کہ ہم مرد ہیں! انہوں نے قلعے کے دروازے بند کر
 لئے اور جنگ پر آمادہ ہو گئے لیکن مسلمانوں کے لئے ان وجوہ سے خلاصی
 پانا ضروری تھا۔ اس لئے فوراً محاصرہ کر لیا گیا۔ پندرہ دن کے بعد انہوں نے
 ہتھیار ڈال دیئے۔ پہلے تو انہیں سخت سزا دینے کا ارادہ تھا۔ لیکن
 آنحضرتؐ کی رحم دلی عدل پر غالب آگئی اور صرف جلا وطنی پر اکتفا
 کیا گیا۔

یہ تمام واقعات بنی نصیر کے سینوں میں سانپ کی طرح پیچ و تاب

کھا رہے تھے۔ وہ آنحضرتؐ سے چھٹکارا پانے کے لئے کسی موقع کی تاک میں تھے اور اس لئے آپؐ کی آمد کو انہوں نے تائیدِ ایزدی تصور کیا۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ان کے ناپاک منصوبے آنحضرتؐ پر ظاہر ہو گئے۔ آپؐ فوراً اس جگہ سے ہٹ گئے اور اس طرح اپنے آپ کو اور اپنے متبعین کو ایک یقینی ہلاکت سے بچا لیا۔

بنی نضیر کی اب بالکل وہی حالت ہو گئی تھی جو ان سے قبل بنی قنیقاع کی تھی۔ انہوں نے خود اپنے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو خدا نامہ کی حدود سے باہر کر لیا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے مدینہ واپس آنے پر انہیں بھی وہی پیغام بھیجا جو اس سے قبل بنی قنیقاع کو بھیجا گیا تھا۔ منافقین اور عبد اللہ بن ابی کی امداد کے بھروسے پر انہوں نے نہایت بے باکانہ جواب دیا۔ لیکن انہیں عبد اللہ اور اپنے بھائیوں یعنی بنی قریظہ کی طرف سے سخت مایوسی ہوئی اور پندرہ دن کے محاصرے کے بعد شرائطِ صلح کے لئے التجا کرنی پڑی۔ وہی شرائطِ ہیرائی گئیں۔ جو پہلے پیش کی گئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے جلا وطن ہونا قبول کر لیا۔ اسلحہ جنگ کے سوا انہیں تمام منقولہ جائداد لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ لڑائی سے پہلے انہوں نے اپنے گھروں کو تباہ کر دیا تاکہ مسلمان ان سے مستفید نہ ہوں۔

ربیع الاول ۳ھ	ان کی زمینیں اور سامان جنگ جو وہ اپنے ساتھ نہ
جون تا جولائی ۶۲۵ء	لے جاسکتے تھے، آنحضرتؐ نے انصار سے اجازت

لے کر ماجرین میں تقسیم کر دیئے جو ابھی تک اپنے مدنی بھائیوں کی فیاضانہ

امداد کے محتاج تھے۔ باوجود اس برادرانہ محبت کے جو انصار اور ہاجرین میں
 تھی آپ کو معلوم تھا کہ مدینہ والوں کی امداد غیر مستقل ہے۔ اس لئے
 آپ نے انصار کے رؤسا کو جمع کیا۔ اور ان سے دریافت فرمایا کہ اس مال کو
 ان کے غریب ہاجر بھائیوں میں تقسیم کرنے پر انہیں کوئی اعتراض تو
 نہیں۔ سب نے یک آواز ہو کر کہا: "یہودیوں کا مال ہمارے بھائیوں میں
 تقسیم کر دو۔ اور ہمارے مال میں سے بھی کچھ حصہ انہیں دے دو۔ ہم خوشی
 اجازت دیتے ہیں۔" اس پر آپ نے اس جہاد کو ہاجرین میں تقسیم کر دیا،
 اور دو انصار کو بھی حصہ ملا جو بہت غریب تھے۔

بنی نضیر کی جلا وطنی ربیع الاول ۳ھ میں ہوئی۔ اس سال کا باقی
 حصہ اور آئندہ سال کا ابتدائی حصہ خانہ بدوش دشمن قبائل کی بغاوتیں فرو
 کرنے اور مدینہ پر چند خونریز حملوں کی سرکوبی کرنے میں صرف ہوا۔

اس اثنا میں دشمنان اسلام بھی بے کار نہ رہے۔

کفار نے دور دراز علاقوں میں اپنے سفیر بھیجے تاکہ
 قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ابھاریں۔ ان کو خشوں

۴۲۴ھ سے
 ۲۳ اپریل ۴۲۵ھ تک

میں یہود سب سے پیش پیش تھے۔ بنی نضیر کے جو آدمی خیبر میں تھے انہوں نے
 انتقام کی اُمیدوں سے مشتعل ہو کر مسلمانوں کے استیصال کے لئے ایک

۱۱۴ھ اس قبیل کی ایک قوم تھی جو دوسرے یحمدی عربوں کے خلاف بھی گئی تھی۔ انہوں نے مدینہ والوں
 کے لئے شام کا راستہ بند کر دیا تھا اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کی دھمکیاں دیتے تھے۔ لیکن قزاقوں کا یہ
 گروہ مسلمانوں کے پیچھے پر بھاگ نکلا۔ اور آنحضرتؐ ایک ہمسایہ سردار سے معاہدات کر کے واپس
 تشریف لائے۔ اس سردار کو مدینہ کی چوگاہوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی گئی تھی۔

انجن بنائی۔ ان کی کوششیں ان کی امید سے بھی بڑھ کر بار آور ہوئیں۔ ایک
ہمیت ناک اتحاد عمل میں آیا اور ساز و سامان سے آراستہ دس ہزار
سپاہیوں کی ایک فوج ظالم البوسقیان کی سرکردگی میں مدینہ پر چھڑھ دوڑی۔ راستے
میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مدینہ سے چند میل کے فاصلے
پر اُحد کی طرف آن بکھڑے جو شہر کا سب سے زیادہ غیر محفوظ پہلو تھا۔ ان کے مقابلہ
کے لئے مسلمانوں کو صرف تین ہزار میسر آ سکے۔ اپنی تعداد کی قلت اور منافقین
کی فتنہ انگیز مخالفت کے خیال سے مجبور ہو کر مسلمانوں نے تحفظ و دفاع
شوال ۱۱۵ھ

۲۴ فروری ۱۱۵ھ

کھود دی ہوئے تون اور بچوں کو شہر کے مضبوط مسکنات
میں محفوظ کر دیا۔ اور خود خندق کے چھپے صف آرا ہو گئے۔ شہر کے جنوب مشرق کی
طرف کھوڑے ہی فاصلے پر بنو قریظہ کے کئی قلعے تھے۔ اس سمت کے تحفظ کے لئے
مسلمانوں کو پورا بھروسہ تھا کہ اگر وہ دشمن کے دفاع کے لئے عملی حصہ نہ لیں
گے، تو کم از کم غیر جانبدار ضرور رہیں گے۔ کیونکہ وہ عہد نامے کی رو سے تمام
بیرونی حملوں میں مسلمانوں کی امداد کے ذمہ دار تھے۔ اب یہودیوں کو کفار نے
عہد شکنی کرنے پر آمادہ کر لیا اور اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ جو نبی آنحضرت کو ان کی
عہد شکنی کا علم ہوا آپ نے سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کو ان کے فراموش
کی یاد دہانی کے لئے بھیجا۔ انہوں نے نہایت ترش روئی سے جواب دیا۔
محمد کون ہے؟ خدا کا پیغمبر کون ہے؟ کہ ہم اس کی اطاعت کریں؟ ہمارے
درمیان کوئی عہد نامہ نہیں ہوا۔

چونکہ یہ یہودی موقع محل سے اچھی طرح واقف تھے اور شہر کے کمزور مقامات
دکھا کر محاصرین کی عملی امداد کر سکتے تھے اس لئے مسلمانوں میں سخت اضطراب
پھیل گیا۔ منافقین کی موجودگی نے خطرات کو اور زیادہ کر دیا۔

کفار اور یہود نے مسلمانوں کو کھلے میدان میں لانے یا یہودیوں
کی رہنمائی میں شہر پر ناگہانی حملہ کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن ناکام رہے
اب انہوں نے حملہ عام کا قصد کیا۔ محاصرہ کے بیس دن ہو چکے تھے صبح
کے مضطرب و بے قرار طبع قبائل جو مسلمانوں کو ایک آسان لقمہ سمجھ کر
قریش کے ساتھ آگئے تھے اس طویل محاصرے سے اکتا گئے۔ محاصرین کے
سرداروں نے خندق عبور کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن مسلمانوں نے
ہر حملے کو پسپا کر دیا۔ اب حالات کفار کے خلاف ہوتے ہوئے معلوم
ہوئے۔ اُن کے گھوڑے جھوک سے مرنے لگے اور سامان رسد کم ہو گیا نا اتفاقاً
تو اُن میں پہلے ہی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے دوراندیش سردار نے
اپنی بے نظیر دانائی سے انہیں اور بھی بیدل کر دیا۔

ایک لفظ میں دشمنوں کی یہ عظیم الشان متحدہ افواج ہوا میں کا فور ہو
گئیں۔ رات کی خوفناک تاریکی میں آندھی اور بارش کے ایک غضب ناک

سلہ یہ تمام نظارہ قرآن مجید میں سورۃ الاحزاب میں نہایت خوبصورتی سے بیان ہوا ہے !
"اس وقت کو یاد کرو جب دشمن اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے تم پر پل پڑا۔ اور
(خوف سے) تمہاری آنکھیں پھر گئیں اور پیچھے منہ کو آگئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے
لگے۔ وہ مسلمانوں کی آزمائش کا وقت تھا۔ اور ان پر شدید لڑائی تھی۔ اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں
میں رشک کے روگ تھے پکار اٹھے کہ خدا اور اس کے رسول کا وعدہ بڑا دھوکا ہی نکلا۔"

طوفان نے ان کے غیمے اکھاڑ پھینکے اور رشتیاں گل کر دیں۔ ابوسفیان اپنی افواج لے کر بھاگا اور جو باقی بچے انہوں نے بنی قریظہ کے پاس پناہ لی۔ آنحضرتؐ نے رات ہی کو دشمن کے انتشار کی خبر دے دی تھی۔ اور دن نکلنے ہی لوگوں نے اس پیشین گوئی کو پورا ہوتے دیکھ لیا اور مسلمان خوش ہو کر شہر میں واپس آئے۔

لیکن مسلمانوں کی فتح اس وقت تک مکمل نہ ہو سکتی

۲۸ فروری ۶۲۷ء سے ۲۹ مارچ ۶۲۷ء تک

تھی جب تک بنی قریظہ جیسی خطرناک قوم ان کی ہمسایگی میں موجود تھی۔ انہوں نے اپنے آپ کو عہد و پیمان

کے باوجود غدار ثابت کیا تھا۔ اور ایک دفعہ تو بے خبری میں مدینہ پر ٹوٹ ہی پڑے تھے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر اس میں وہ کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کا قتل عام ہو جاتا۔ مسلمانوں نے اپنا فرض سمجھا کہ ان سے اس غداری کا جواب طلب کیا جائے۔ یہود نے نہایت دیدہ دلیری سے کام لے کر جواب دہی سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا محاصرہ کر لیا گیا، اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے صرف ایک شرط پیش کی کہ ان کی سزا کا فیصلہ بنی اوس کے سردار سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا جائے۔ اس شخص نے جو ایک تند مزاج سپاہی تھا اور جو اسی حملے کے دوران میں زخمی ہوا تھا۔ یہود کے اس غدارانہ طرز عمل پر سخت غضب ناک ہو کر فیصلہ کیا کہ یہود کے تمام جنگ کے آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔ اور ان کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے لونڈی غلام بنائے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔ سعد اس فیصلہ کے دوسرے ہی روز وفات پا گیا۔ لین پول لکھتا ہے: ”یہ ایک ایسا سخت اور خونیں

فیصلہ ہے، جو اہل الہی پر حملہ کرنے والی افواج کے جرنیلوں ہی کو زیب دیتا تھا یا اس کی مثال آگسٹن ہمد کے متصوفین کے مظالم ہی میں نظر آ سکتی ہے لیکن اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ان اشخاص کا جرم محاصرہ کے وقت حکومت کی بغاوت کرنا تھا اور جن لوگوں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ کس طرح ولنگٹن کی گزرگاہ فوج کے مفروین کی لاشوں سے پٹی پڑی تھی، انہیں ایک غدار چھوٹے سے قلیے کے قتل پر حیران نہ ہونا چاہئے۔

یہودیوں کے چند قبائل کی سزا دی نے میور، سپرنگر، ویل اور اوہرن جیسے آنحضرتؐ کے عیسائی سوانح نگاروں کے لئے ناجائز حملے کی راہ بھی کھل دی ہے۔ بنی فنیقار اور بنی نصیر کو ان کے جراثیم کے مقابلہ میں بہت ہلکی سزائیں دی گئیں۔ صرف بنی قریظہ ہی کو کسی قدر سخت سزا دی گئی۔

انسانی فطرت کی ترکیب ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ کسی شخص کا جرم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو جس وقت اسے سزا دی جاتی ہے ہمیں درشت اور ظالمانہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے احساسات میں ایک قدرتی انقلاب واقع ہو جاتا ہے اور ہمارے دلوں میں انصاف کی بجائے رحم جاگزین ہو جاتا ہے۔ اُس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے نقطہ نظر سے بنو قریظہ کی سزا سخت تھی لیکن خواہ ہم ان بیچاروں کی قسمت پر کتنا ہی افسوس کریں جنہوں نے کہ اپنی قسمت

کا فیصلہ اپنی مرضی سے ایک غضب ناک سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا خواہ ہم کتنا ہی افسوس کریں کہ فلاں شخص کو اس طرح نہیں بلکہ اس طرح سزا دینی چاہئے تھی لیکن ہمیں جذباتِ رحم کے لئے انصاف کو نظر انداز نہ کر دینا چاہئے ہمیں

ان کے جرائم کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، ان کی غداری کو، ان کی ظاہر و باطن
 دشمنی کو، ان کی اس عہد شکنی کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جس سے دُور رہنا
 کا اولین اخلاقی فرض تھا۔ مزید برآں ہمیں ان ترغیبات کو بھی پیش نظر رکھنا
 چاہئے جو یہود اور مسیحیوں کے یہ پرستاریت پرستی کے قائم رکھنے کے لئے کفار عربوں کو
 دیتے تھے۔ اخلاقیات کے عیسائی علمبردار آرنلڈ کی طرح کچھ مسلمان بھی یہ کہنے
 کا حق رکھتے ہیں کہ ”ظالم و مفسد کافران اس سے سو درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنی
 ناپاک صحبت سے بے گناہوں کو بھی آلودہ کر لے“

یہ مسلمان صرف ایک لفظ کے تغیر سے اسی طرح کہہ سکتے ہیں۔ ”آؤ ہم
 غور کریں کہ ہمارا اور ان تمام دوسری اقوام کا جو اس وقت آسمان کے نیچے
 آباد ہیں کیا حشر ہوا ہوتا۔ اگر عربوں کی تلوار اپنا کام کفایت سے انجام دیتی
 عربوں کی تلوار اپنے خونیں کارناموں کے ساتھ تمام ممالک عالم کے لئے دنیا
 کے دوسرے سرے تک رحم و کرم کے بیج پونگئی۔ اگر عیسائیوں کی دلیل صحیح
 ہے اور بے رحمانہ نہیں تو یقیناً مسلمانوں کی دلیل اس کے خلاف نہیں ہو
 سکتی۔ دوسرے مسلمان بنی قریظہ کے اس خوفناک فیصلے کو اسی نظر سے دیکھ
 سکتے ہیں جس نظر سے کارلائل باشندگان ڈنڈ و غیڈہ کے قتل عام کے متعلق
 کراٹمول کے وحشیانہ حکم کو دیکھتا ہے۔ ایک مسلح سپاہی ان جذبات
 کے ساتھ کہ وہ خدا سے عادل کا سپاہی ہے ایک ایسا جذبہ جو ہر سپاہی

۱۰ خطبات آرنلڈ - مغزوات اسرائیلیہ ص ۳۵-۳۶

۳۰ اصل میں ”اسرائیلیوں“

اور ہر انسان کو ہر وقت اپنے دل میں موجود رکھنا چاہئے۔ موت کی طرح
غضب ناک۔ تقدیر کی طرح۔ یہ رحم، خدائی انصاف کو اس کے دشمنوں
پر ظاہر کر رہا تھا۔

لیکن یہودیوں کو جو سزا دی گئی، ہم اُسے ان دونوں میں سے کسی ایک
نقطہ نظر سے بھی نہیں دیکھتے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ اُس وقت کے قوانین
جنگ کے مطابق انہیں نہایت منصفانہ سزا دی گئی! اُس زمانہ کے رسوم جنگ
سے مطابق قوانین کا پوری طرح اطلاق کیا گیا ان لوگوں نے اپنی بد قسمتی کو
خود بلا لیا۔ اگر یہ لوگ سعد کے فیصلے کے بغیر بھی قتل کر دیئے جاتے تو یہ اس
زمانہ کے قوانین کے بالکل مطابق ہوتا لیکن انہوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ
کرنے کے لئے سعد کو خود منتخب کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس کا فیصلہ ان کے
طرز عمل کے خلاف نہیں اور اس لئے انہوں نے کوئی عذر پیش نہ کیا! انہیں
معلوم تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو اپنے دشمنوں کو بغیر کسی افسوس کے
ذبح کر ڈالتے۔ لوگ حضرت داؤد کی خوں ریزیوں کو اُس زمانہ کی روشنی
میں دیکھتے ہیں۔ "قدیم عیسائیوں کی خوفناک خونریزیاں خاص" روشنیوں
میں دیکھی جاتی ہیں۔ قدیم مسلمانوں کی دفاعی لڑائیاں کیوں نہ اس نقطہ نظر
سے دیکھی جائیں! لیکن نقطہ نظر خواہ کوئی ہو، بے تعصب دل جانتے ہیں
کہ بنی قریظہ کی سزائیں آنحضرت پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

مقتولین کی تعداد زیادہ سے زیادہ دواٹھائی سو تھی۔ کہا جاتا ہے

کہ یقیناً السیف کی تقسیم میں ایک نوجوان یہود بن ریچانہ آنحضرتؐ کے ساتھ
 میں بھی آئی، اور بعض کہتے ہیں کہ تقسیم سے قبل وہ آپ کے لئے الگ کر دی گئی
 تھی، عیسائی مورخین جو آپ کی ذات پر بے جا حملہ کرنے کے لئے ہر وقت
 موقع کی تاک میں لگے رہتے ہیں اس موقع پر بھی افسانہ گھڑنے سے نہیں
 چوڑے۔ غلامی کی بحث کو ہم کسی آئندہ باب پر چھوڑتے ہیں لیکن یہاں صرف
 یہ بتادینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر اس واقعے کو صحیح بھی سمجھ لیا جائے تو ہمیں
 جدید خیالات کے بموجب اس پر معترض ہونے کا کوئی حق نہیں کیونکہ یہ
 اس زمانہ کے مراسم جنگ کے بالکل مطابق تھا۔ ریچانہ کے آنحضرتؐ کی بیوی
 بننے کی کہانی سراسر جھوٹ ہے کیونکہ اس واقعہ کے بعد وہ اوراقِ تاریخ پر
 کبھی نظر نہیں آتی حالانکہ آپ کی دوسری انواعِ مطہرات کے حالات
 بالتفصیل مذکور ہیں۔

چھٹا باب

رسول اللہ کی رحمدلی

دُعَا اِلٰی اللہ فالْمُسْتَمْسِکُون بِہَا
مُسْتَمْسِکُون بِحَبْلِ غَدِیْرٍ مُنْقَصِم

یہود اور کفار کی متحدہ قوتیں دولت عامہ مدینہ کی تباہی

میں ناکام رہیں مسلمان اسے ایک مجروحہ سے نصیر کرنے

میں حق بجانب تھے لیکن صحرا کے وحشی اور خونخوار قبائل

۴
۲۳ اپریل ۶۲۷ء سے
۱۲ اپریل ۶۲۸ء تک

حدود مدینہ کے اندر اکثر قتل و غارت گری کو جاتے حکومت کی بقا ان کی فوری

سرکوبی کی متقاضی تھی۔ کئی مہینے ان رہنماؤں کے خلاف بھیجی گئیں لیکن وہ مسلمانوں

کی آمد کی خبر سنتے ہی بھاگ جاتے۔ بنی لحيان جنہوں نے آنحضرتؐ سے درخواست

کر کے کئی مبلغوں کو اپنے قید میں لایا تھا اور بعض کو قتل کر کے باقیوں کو کفار

مکہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ ابھی تک انہیں کوئی سزا نہ دی گئی تھی لیکن اب وقت

آپہنچا کہ انہیں اس جرم کی سزا دی جائے جمادی الاول میں فوج کا ایک

دستہ آنحضرتؐ کی ماتحتی میں بنی لحيان کے خلاف روانہ ہوا۔ ان قزاقوں کو

وقت پر اطلاع مل گئی اور وہ پہاڑیوں کی طرف بھاگ نکلے اور مسلمان

مدینہ واپس آ گئے۔

کچھ دنوں کے بعد خیل غطفان کی ایک شاخ بنی فزارہ نے مدینہ کے
غیر محفوظ حصے پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے اونٹ ہانک لے گئے، ان کے محافظ
کو قتل کر دیا، اور اس کی بیوی کو اٹھائے گئے۔ مسلمان فوراً ان کے تعاقب میں
روانہ ہوئے۔ چند اونٹ واپس مل گئے لیکن باقی مال لے کر بدوی صحرا میں
نکل گئے۔

اسی زمانہ میں آنحضرتؐ نے کلیسائے سینٹ کیتھرائن کے پادریوں
کو اور تمام عیسائیوں کو ایک دستاویز عطا فرمائی جو صفحہ تالیخ عالم میں
مذہبی رواداری کی ایک بے نظیر مثال سمجھی جاتی ہے۔ یہ دستاویز جو یورپین
اسلام نے مفصلاً محفوظ رکھی ہوئی ہے وسعت خیال اور آزادی عقائد کا جبرست
انگریز نمونہ ہے۔ اس کے ذریعہ آنحضرتؐ نے عیسائیوں کو ایسے حقوق و
فوائد عطا فرمائے جو انہی عیسائی حکومتوں کے ماتحت بھی حاصل نہ ہتے اور ان
کیا لیا کہ اگر کوئی مسلمان ان احکام کی خلاف ورزی کریگا اور قرآن کی اور
خدا کے تعالے کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا اور اسلام کی تدبیر
کرنے والا متفقہ ہوگا۔ آپ نے اپنی ذات پر اور اپنے متبعین پر تمام
عیسائیوں، ان کے گرجاؤں اور پادریوں کی اقامت گاہوں کی حفاظت
کی ذمہ داری عائد کی اور یہ کہ ان پر کسی قسم کا ناجائز دباؤ نہ ڈالا جائے گا،
کوئی تشدد اپنے علاقہ سے نہ نکالا جائے گا۔ کوئی عیسائی اپنے مذہب
کو چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ کوئی راہب اپنی خالقاہ سے نکالانہ
جائے گا۔ کسی زائر کو اپنے سفر سے نہ روکا جائے گا۔ کوئی گرجا مسلمانوں

کے لئے مساجد یا گھر بنانے کو مسمار نہ کیا جائے گا۔ عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کے نکاح میں ہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے کے لئے ہر طرح آزاد ہوں گی اور ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا جائے گا۔ اگر عیسائیوں کو گرجاؤں یا خانقاہوں کی مرمت کی ضرورت ہوگی یا کسی اور مذہبی کام کے لئے امداد کی ضرورت ہوگی تو مسلمان ان کی ہر طرح امداد کریں گے۔ اس امداد کو ان کے مذہب میں حصہ لینے سے تعبیر نہ کیا جائے گا، بلکہ یہ ایک حاجت مندی کی حاجت روائی اور خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل متصور ہوگی اگر مسلمان کسی بیرونی عیسائی طاقت سے برسرِ پیکار ہوں گے تو مسلمانوں کی حدود میں رہنے والے کسی عیسائی کے ساتھ اس کی قومیت کے خیال سے حقارت آمیز برتاؤ نہ کیا جائے گا۔ کوئی مسلمان جو کسی عیسائی سے ایسا برتاؤ کرے گا رسول اللہ کا نافرمان متصور ہوگا۔

انسان ایسی ہستی کے متعلق ہمیشہ عظمت و بزرگی کے خیالات والہستہ کر لیتا ہے جو یا وجود بدی کا بدلہ بدی سے دینے کی طاقت رکھنے کے نہ ضرور بدی کا بدلہ نیکی سے دینے کی تلقین کرے بلکہ عملی طور پر حکومت کے سردار اور رعایا کی جان و آزادی کے محافظ ہونے کی حیثیت سے عدل و انصاف پر پوری طرح کاربند ہوتے تھے اور مجرم افراد کو سختی سے سزا دیتے تھے۔ آپ ایک پیغمبر اور ایک ہادی کی حیثیت میں اپنے بدترین دشمنوں سے بھی رحم و عفو کا برتاؤ کرتے تھے۔ آپ کی ہستی میں عدل و رحم جیسی دو عظیم انصاف صفات یک جا موجود تھیں۔

قبیلہ حنیفہ کا ایک سردار ثمامہ بن اثال ایک جہم کے دوران میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ وہ مدینہ میں لایا گیا جہاں آپ کے کریمانہ برتاؤ سے متاثر ہو کر وہ ایک دشمن کی بجائے آپ کا جہاں نثار پرو بن گیا۔ اپنے وطن میں واپس جا کر اُس نے مکہ میں پیامہ کے سامان کی درآمد بند کر دی جس سے مکہ والے سخت دق ہوئے۔ انہوں نے بہت سرٹپکا لیکن حنیفیوں کے دل نہ پیسے۔ آخر انہوں نے آنحضرتؐ سے مداخلت کی استدعا کی۔ آپ کو اُن کی حالت پر رحم آگیا اور ثمامہ سے سفارش کر کے یہ مشکل رفع کرادی آپ کی رحم دلی کے بیشمار واقعات بیان کیے جاسکتے ہیں لیکن ہم صرف دو پر اکتفا کریں گے۔ آپ کی ایک صاحبزادی جن سے آپ کو بہت محبت تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے نکل رہی تھیں۔ آپ حاملہ بھی تھیں۔ جس وقت آپ اونٹ پر سوار ہو رہی تھیں ہبار نامی ایک قریشی نے نہایت بے رحمی سے اپنی الٹی برچھی ان کے اس زور سے ماری کہ آپ گر پڑیں اور فوراً وفات پا گئیں۔ فتح مکہ کے بعد مجرم پر فتوائے قتل عائد کیا گیا۔ کچھ مدت روپوش رہنے کے بعد خود بخود آنحضرتؐ کے پاس چلا آیا۔ اور اپنے آپ کو غمزدہ بارپکے رحم پر چھوڑ دیا۔ خطا واقعی بڑی تھی اور مجرم سنگین تھا لیکن صدمہ ایک ذاتی صدمہ تھا اور مجرم سچے دل سے اپنے کردار پر متفعل نظر آتا تھا۔ آپ نے اُسے غیر مشروط طور پر بری کر دیا۔ وہ یہود جس نے خیبر میں آپ کی جان لینے کا قصد کیا تھا اور عکرمہ بن ابو جہل جو آنحضرتؐ کا بدترین ذاتی دشمن تھا دونوں معاف کر دیئے گئے۔

عیسائی بدویوں کا ایک قبیلہ زینی کلب، جو دومتہ الجندل کے قریب
رہتا تھا۔ لوٹ مار کرتا ہوا حدودِ مدینہ تک پہنچا۔ انہیں دعوتِ اسلام
دینے اور بدکرداریوں سے منع کرنے کے لئے ایک مہم بھی گئی۔ اس مہم کے
سردار کو ہدایات دیتے ہوئے آپ نے یہ قابلِ یادگار الفاظ ارشاد فرمائے
”کسی حالت میں بھی دھوکا یا فریب نہ کرنا۔ اور نہ بچوں کو قتل کرنا۔“

ایسی تمام مہموں کے سرداروں کو بغارتِ گریباں کی سرکوبی کے لئے
بھیج جاتیں آپ تاکیدِ احکام دیتے کہ کمزوروں کو ہرگز نہ ستایا جائے۔ جب
بازنطینیوں کے خلاف فوج روانہ ہوئی تو آپ نے انہیں مخاطب ہو کر
فرمایا۔ ”اپنے نقصانات کے انتقام میں بے ضرر باشندوں اور عورتوں سے
تعرض نہ کرنا۔ بچوں اور بیماروں کو تکلیف نہ دینا۔ جو لوگ تمہارے مقابلے
پر نہ آئیں ان کے گھروں کو ہمارا نہ کرنا، ان کے سامانِ خوراک، ثمر دار درختوں
اور کھجور کے پیڑوں کو بر باد نہ کرنا۔“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا کے نتیجے میں
سردارِ فوج سے اس طرح خطاب کیا۔ ”اے زید! اپنی فوج پر بے جا دباؤ
نہ ڈالنا، نہ انہیں تکلیف دینا۔ بلکہ ہر موقع میں ان سے مشورہ لینا ہر حال
میں نیکی اور انصاف کو مد نظر رکھنا کیونکہ جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں وہ

سہ رسولِ عربیؐ کی ان ہدایات کا اور خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کی ہدایات کا جو انہوں نے زید بن
الوسفیان کو بازنطینیوں کے خلاف بھیجے ہوئے ارشاد فرمائیں، پیغمبرِ اسرائیل سے مقابلہ کر دو۔

”خدا رب الافواج فرماتا ہے۔ اب جاؤ اور عالمی پر حملہ کرو۔ ان کی ہر چیز کو تباہ کر دو۔ ان کے
مردوں اور عورتوں چھو کر دل اور شیر خوار بچوں، اسیلوں اور بھینسوں، اونٹوں اور گدھوں سب کو قتل کر دو۔“

”تم بوڑھوں، جوانوں، چھوکرپوں اور ننھے بچوں اور عورتوں کو یک لخت مار ڈالو۔“

کبھی سلاح نہیں پاتے۔ اور جب تم دشمن سے ملو، تو مردوں کی طرح
مقابلہ کرنا اور پیچھے نہ پھیر لینا اور اگر خدا تمہیں فتحیاب کرے، تو بچوں بوڑھوں
اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ کھجور کے درختوں اور کھیتوں کو تباہ نہ کرنا۔ کوئی پھلدار
درخت نہ کاٹنا، اور نہ گائے بیلوں کو ذبح کرنا۔ مگر اس قدر جن کی تمہیں خوراک
کے لئے ضرورت ہو۔ اگر تم عہد و پیمان کرو تو اس پر سختی سے قائم رہنا تمہیں
راستے میں کچھ ایسے مذہبی لوگ ملیں گے جو اپنی خالقاہوں میں گوشہ نشینی کی
زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اس طریقے پر خدا کی عبادت کرتے ہیں، ان سے
نعرض نہ کرنا۔ نہ انہیں قتل کرنا اور نہ ان کی خالقاہوں کو تباہ کرنا۔

اسی سال ماہ شعبان نومبر ۱۹۷۷ء میں ایک ہم ہی مصطلق
کے خلاف بھیجی گئی۔ اب تک مسلمانوں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات
بھٹے لیکن اب حارث بن ابو ضرار کے ہرکانے پر انہوں نے اتحاد توڑ دیا
اور سوادینہ پوڈا کے ڈالنے شروع کر دیئے۔ یہ ہم کامیاب ہوئی اور
بہت سے آدمی قید ہوئے جن میں حارث کی بیٹی جو بڑی بھی تھی :

ہماجرین کو اپنے دین کے لئے اور اس ذاتِ قدسی کے لئے
جس نے ان کے دلوں میں اتحاد، محبت اور اخوت کی روح پھونک
دی تھی، اپنا وطن چھوڑے ہوئے اب چھ سال ہو گئے، بھٹے، مغرب کے دور دراز
علاقوں کے لوگ جوق جوق اس مجاہد الحقول انسان کو دیکھنے آتے جس نے
یہ عجیب و غریب انقلاب پیدا کر دیا تھا اپنی روزمرہ زندگی کے متعلق اس
سے مشورہ لیتے۔ اس طرح جس طرح حضرت اسماعیل سے بنی اسرائیل

مشورے لیتے تھے :

لیکن ان غریب الوطنوں کے دل ابھی تک اپنے وطن کے لئے
ترستے تھے۔ وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور غیر شہر میں انہیں پناہ ملج
انہیں کعبہ کے قریب سے محروم کر دیا گیا جو ان کے اجتماعات مذہبی کا مرکز تھا۔
چھ سال سے انہیں اس متبرک مقام کا حج نصیب نہ ہوا تھا جو ایک ایسا
رواج تھا کہ اس کے گرد زمانہ کی درختیں روایات، نے عظمت و بزرگی کا
ایک نورانی ہالہ پیدا کر دیا تھا۔ خود آنحضرتؐ کو اپنے وطن کے دیکھنے کی اتنی
ہی تمنا تھی۔ کعبہ کی عبادت گاہ تمام عرب قوم کی ملکیت تھی قریش صرف
اس کے محافظ تھے اور انہیں اس بات کا حق نہ تھا کہ اگر دشمن بھی اپنے
مذہبی فرائض کی انجام دہی کے لئے آئے تو اسے روک سکیں۔

حج کا زمانہ قریب آگیا تو آنحضرتؐ نے مکہ جانے کا ارادہ ظاہر
کیا۔ فوراً ایک ہزار آوازوں نے لبیک کہا۔ تیاریاں جلد جلد کی گئیں
اور آپؐ سات سو صحابہؓ و انصار کی ایک غیر مسلح جمیعت کے ساتھ
روانہ ہو پڑے۔ قریش کی دشمنی ابھی تک ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔ وہ مسلمانوں
کا راستہ روکنے کے لئے ایک عظیم الشان فوج لے کر مکہ سے چند میل
باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن جلد ہی پیچھے ہٹ کر شہر کے تمام راستے
بند کر دیئے۔ انہوں نے حلف اٹھائے کہ آنحضرتؐ کو اور آپ کے
منتخبین کو کعبہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور مسلمانوں کے سفیر سے
سخت بدسلوکی کی جو کعبہ میں داخلہ کے لئے اجازت لینے گیا تھا۔ لکھیں

کے ایک دستہ فوج نے مسلمانوں کے قافلہ کو گھیر لیا اور اعلان کر دیا کہ جو مسلمان نکلے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ انہوں نے آنحضرتؐ پر پتھر اور تیر بھی برسائے۔ یہ دیکھ کر مکہ والے کسی طرح نہیں مانتے آپؐ نے جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے ان کی تمام شرائط کو ماننے پر رضامندی ظاہر کی۔ بہت رو کر کہ بعد ایک معاہدہ عمل میں آیا جس کی رو سے لڑائیاں دس سال کے لئے ملتوی کر دی گئیں۔ اور یہ قرار پایا کہ اگر قریش کا کوئی آدمی اپنے آقا یا سردار کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو وہ کفار کے سپرد کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ والوں سے پاس آجائے تو واپس نہ کیا جائے گا۔ اگر کوئی قبیلہ مسلمانوں سے یا کفار سے اتحاد کرنا چاہے تو کوئی مزاحمت نہ کی جائے گی۔ مسلمان اس سال یہاں سے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال انہیں حج کرنے کی اجازت ہوگی لیکن وہ صرف تین دن تک مکہ میں ٹھہریں گے۔ ان کی تلاواریں تمام ہیں ہوں اور نیام جلیبان (تختیلا) ہیں۔

یہ شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اس لئے آپؐ کے بعض جو شیلعے متبعین کو جن کے دلوں میں قریش کے ظلم و ستم کی خلش ابھی باقی تھی ناگوار گزریں۔ اس معاہدہ کی تیسری شرط کی رو سے مسلمان کفار کے ایسے آدمی واپس کرنے پر مجبور تھے جو اپنے سرپرست یا سردار کی اجازت کے

بدون ان میں سے چند لوگ جب قید ہو کر آنحضرتؐ کے سامنے پیش ہوئے تو آپؐ انہیں معاف

کر دیا اور چھوڑ دیا۔ ”ابن ہشام“

بغیر چلے گئے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو اپنے بہت سے متبعین کفار کے حوالے
 کر دینے پڑے۔ لیکن اس شرط میں چوکنہ عورتوں کا ذکر نہ تھا۔ اس لئے
 کفار کا یہ مطالبہ ستر ذکر دیا گیا۔ آنحضرتؐ نے مدینہ واپس آنے پر اس عالمگیر
 خواہش کی تکمیل چاہی کہ آپ کا مذہب اقوام عالم کو اپنے آغوش میں
 لے لے اور ہمسایہ تاجداروں کو دعوت اسلام دینے کے لئے سفر بھیجے۔
 دو سفارتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں ایک ہرقل شاہ یونان کے پاس
 اور دوسری خسرو پرویز شہنشاہ ایران کی طرف تھا۔ شہنشاہ اس شخص کی
 جرات پر حیران ہو گیا جسے مکہ والوں نے نکال دیا تھا۔ اور اب وہ خسرو
 اعظم کو ایک ہمسری کی طرح خطاب کر رہا تھا۔ اُس نے خط کو پڑھ کر ہنس
 کر دیا اور سفیر کو حقارت کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا۔ جب اس سلوک
 کی خبر آنحضرتؐ تک پہنچی تو آپؐ نے آہستگی سے فرمایا: اسی طرح کسریٰ کی
 سلطنت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ اس پیشینگوئی کی صداقت صفحات تاریخ
 پر خاک و خون سے لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہرقل نے سفیر کے ساتھ ہتھایت
 عزت و گوارہ کا سلوک کیا اور بڑی سوچ بچار اور معقولیت سے رسول
 اللہؐ کے پیغام کا جواب دیا۔ شام سے روانہ ہونے سے قبل اُس نے اُس
 شخص سے ذرا اچھی طرح متعارف ہونا چاہا جس نے اُسے یہ مقدس
 دعوت بھیجی تھی۔ اس خیال سے اُس نے چند عربی تاجروں کو طلب کیا جو
 غزہ میں ایک کاروان کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ انہیں میں ابوسفیانؑ

بھی تھا جو ابھی تک آنحضرتؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔ شہنشاہ نے اس

سے آنکھنرست کے متعلق سوالات کئے جو روایات میں بحسنہ محفوظ ہیں قبل
 نے پوچھا۔ ”محمدؐ صلعم کیا عمر لیتے ہیں۔“ ابوسفیانؓ نے جواب دیا۔ ”وہ ہمیں
 نبوت پرستی سے روکتا ہے، اور ایک خدا کی پرستش کرنے کو کہتا ہے۔ وہ
 کہتا ہے کہ خیر است دو اور سچائی اور پاکیزگی سیکھو اور بدکاری سے باز رہو
 اور مکروہات سے بچو۔“ جب اس سے پوچھا گیا کہ اس کے پیرو بڑھ رہے
 ہیں یا کم ہو رہے ہیں تو اس نے جواب دیا۔ ”اس کے پیرو گروہ در گروہ
 سہمے ہیں اور جو ایک دفعہ اس کا پیرو ہو جاتا ہے پھر کسی طرح واپس نہیں
 لایا جاسکتا۔ ایک اور سفیر عثمانی شہزادہ کی طرف بھیجا گیا جو دمشق کے قریب بصری
 میں رہتا تھا۔ بجائے اس کے کہ سفیر کے ساتھ اس عزت و احترام کا بڑا نوکریا
 چاتا جو سفر کے شایان شان ہے۔ اُسے اس قبیلے کے ایک عیسائی سردار نے
 نکالت ہو کر قتل کر دیا۔ اس بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی سے
 متاثر ہو کر مسلمانوں کو وہ جنگ کرنی پڑی جس نے آخر کار تمام عیسائیت
 کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کر دیا۔ لیکن اس کے متعلق ہم آئندہ لکھیں
 گے۔“

سوال باب

اشاعت اسلام

فَمَا تَطَاوُلُ أَمَالٌ لَمَدٍ يَحْرِي إِلَى مَا فِيهِ مِنْ كَرَمِ الْاِخْلَاقِ وَالشِّيمِ
 ۶۲۸ء ۱۲ اپریل ۶۲۸ء یہودی باوجود اس قدر ہتھیائیں اٹھانے کے دشمنی
 سے یکم مئی ۶۲۹ء تک سے باز نہ آئے اور ابھی تک مسلمانوں کی تباہی کے

منصوبے سوچ رہے تھے۔ مدینہ سے تین چار روز کے سفر پر جانب
 شمال مشرق ان کے کئی مضبوط قلعے تھے جن میں سب سے بڑا القوص ایک
 نہایت دشوار گزار پہاڑی پر واقع تھا۔ یہ تمام قلعے مجموعی طور پر خیبر کہلاتے
 تھے۔ بنی نضیر اور بنی قنیقاع کی کئی شاخیں ان قلعوں میں پناہ گزین تھیں۔ خیبر
 کے یہودیوں کی دشمنی مسلمانوں کے لئے پہلے ہی کچھ کم نہ تھی۔ اب ان کے
 دوسرے بھائیوں کی آمد نے ان کے جذبات کو اور مشتعل کر دیا۔ یہودیوں
 خیبر کے بنی غطفان اور دوسرے بدوی قبائل کے ساتھ دیرینہ تعلقات رکھتے
 انہوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف پھر ایک متحدہ قوت قائم کر لی۔ اس
 خطرے کے دفعیہ کے لئے فوری تدابیر کی ضرورت تھی چنانچہ محرم کے ابتدائی
 ایام میں ایک ہم جوچہ سوا شخص پر مشتمل تھی۔ خیبر بھی گئی۔ یہودیوں نے
 اپنے اتحادیوں سے امداد کی درخواست کی۔ بنی فزارہ فوراً امداد کو پہنچے لیکن

مسلمانوں سے ڈر کر فوراً بھاگ گئے اور اس طرح یہود لڑائی کے نقصانات برداشت کرنے کے لئے اکیلے رہ گئے۔ مسلمانوں نے شرائط پیش کیں لیکن انہوں نے منظور نہ کیں۔ یہودیوں کے سخت مقابلہ کے باوجود قلعہ پر قلعہ فتح ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس ہیبت ناک قلعہ القموص کی باری آگئی۔ ایک سخت مقابلہ کے بعد یہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا اس قلعہ کی فتح نے باقیوں کے دل توڑ دیئے اور انہیں اپنی کمزوری کا احساس ہو گیا وہ معافی کے خواستگار ہوئے جو نہایت دیادہ لی سے عطا کی گئی۔ ان کی زمینیں اور دوسری غیر منقولہ جائیدادیں اس شرط پر واپس دے دی گئیں کہ آئندہ ان کی روش اچھی رہے گی۔ انہیں فرائض مذہبی کی ادائیگی میں آزادی دی گئی۔ اور چونکہ وہ عام محصول سے مستثنیٰ تھے اس لئے آنحضرت نے تحفظ کے تبادلہ میں ان کی پیداوار کا چوتھا حصہ جمہوریت کی طرف سے بطور محصول عائد کر دیا۔ ایسی منقولہ جائیداد جو مسلمانوں نے محاصروں کے دوران میں قلعوں سے حاصل کی تھی مسلمانوں کی فوج میں تقسیم کر دی گئی۔ پیادے کے مقابلے میں سوار کو تین حصے دیئے گئے۔

شہد کے آخر میں آپ نے معاہدہ قریش سے فائدہ اٹھا کر زیارت حرم اقدس کا ارادہ کیا۔ اس سفر کو تاریخ میں عمرۃ القضا کے نام سے یاد کیا

سے مدفون خزانوں کے لئے یہود کو ایذا دینے کی کہانی سراسر جھوٹ ہے۔ اس حملے کے دوران میں کسی مرتبہ یہودیوں نے آنحضرتؐ کے قتل کی کوشش کی۔ مسیحیہ کے وقت ایک یہود نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا جس سے ایک صحابی وفات پا گئے۔ آنحضرتؐ کے جسم پر بھی زہر تر کر گیا جس سے آپ نے آئندہ بہت تکلیف اٹھائی، اور غالباً اسی زہر کے اثر سے آپ نے وفات پائی۔ باوجود اس سنگین جرم کے آپ نے اس عورت کو معاف کر دیا۔

گیا ہے۔ مارچ ۱۹۶۹ء کا زمانہ تھا۔ کہ آپ دو ہزار مسلمانوں کی معیت میں
 ادائے عمرہ کے لئے مکہ کو روانہ ہوئے۔ قریش ان زائرین سے ملنا یا بات
 تک کرنا نہ چاہتے تھے۔ تین دن کے لئے انہوں نے مکہ خالی کر دیا، اور
 گرد و نواح کی پہاڑیوں پر چڑھ کر مسلمانوں کو دیکھتے رہے۔ میو رکھتا
 یہ واقعی عجیب نظارہ تھا جو اس وقت وادیء مکہ میں نظر آ رہا تھا۔ ایک بے
 نظیر نظارہ جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔ یہ قدیم شہر تین
 دن کے لئے اعلیٰ وادی ہر طبقے کی آبادی سے خالی ہو جاتا ہے۔ ہر گھروں پر
 نظر آتا ہے۔ اور اہل شہر کی غیر موجودگی میں بے خانماں مسلمان جو کئی سال سے
 اپنے وطن سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گروہ
 درگروہ آتے ہیں، اس حقوڑے سے وقفے کے لئے اپنے بچپن کے پیارے
 گھروں کو دیکھتے ہیں اور فرائض مذہبی ادا کرتے ہیں۔ ادھر مکہ والے گرد و نواح
 کی بلندیوں پر یادروں اور گھاٹیوں میں پناہ لیتے ہیں اور بوقبیس کی چوٹیوں
 پر چڑھ کر نوادروں کی حرکات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جبکہ وہ اپنے اصول کے
 مطابق کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ یا صفا اور مروہ پر تیزی سے گزرتے ہیں۔ ان
 کی بے قرار نظریں کسی پھڑے ہوئے دوست یا رشتہ دار کے دیہا کی متمنی ہیں۔
 اسلام کی ابتدائی زندگی میں ایسے کئی دردناک نظارے دیکھنے میں آئے ہیں۔
 مسلمانوں نے شریط کی سختی سے پابندی کی اور پیسے روز مکہ کو خالی کر دیا
 مسلمانوں کی دیانت و امانت دیکھ کر اور ان کے ضبط و تحمل اور ایقانے
 عہد نے دشمنان اسلام پر نہایت گہرا اثر کیا۔ قریش کے کئی محرز افراد جو آنحضرتؐ

کی دشمنی اور مخالفت میں سب سے بڑھ کر تھے آپ کی جھمیلی اور شرافت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

یونانیوں کا مسلمان سفیر کو قتل کر دینا ایک ایسا جرم تھا جسے باس فی اور بغیر سزا دیئے نظر انداز نہ کیا جاسکتا تھا۔ غسانی شہزادے سے نادان کا مطالبہ کرنے کے لئے تین ہزار آدمیوں کی ایک مہم بھی گئی۔ حاکم غسان بچائے اس کے کہ اپنی کاروائی پر اظہارِ ندامت کرتا متعابے پر تیار ہو گیا۔ اور اس طرح اس جھگڑے کو حکومت کا جھگڑا بنالیا۔ اپنی فوجیں جمع کر کے انہوں نے ہوتہ کے قریب ہوشام میں بلقا کے متصل ایک گاؤں ہے، مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے باز لطیفیوں کے متحدہ حملے کو پسپا کر دیا لیکن دشمن کی فوجیں تعداد میں بہت زیادہ تھیں۔ اس لئے مسلمان مدینہ واپس آ گئے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی فوج کے سردار زبید بن حارث اور آنحضرت کے شہزاد بھائی جعفر اور کئی دوسرے بلند مرتبہ صحابی شہید ہوئے۔

یہی زمانہ تھا جب قریش نے بنی بکر کے ساتھ صلح کر معاہدہ حبیبہ کو پس پشت ڈالتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ ان کے بہت سے آدمی مارے گئے اور باقی منتشر ہو گئے، اور بنی خزاعہ آنحضرت کے پاس فریاد لے کر آئے اور انصاف کا مطالبہ کیا۔ یہ انصافی اور ظلم بہت بدست تک مکہ میں راج کر چکا تھا۔ اب مکہ والوں نے خود معاہدے کو توڑا تھا اور مکہ کے کئی سرداروں نے بنی خزاعہ کی غول ریزی میں حصہ لیا تھا۔ آنحضرت نے فوراً دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ مکہ کی طرف کوچ کر دیا۔ عکرمہ اور صفوان

کی سرگردگی میں ان کے قبائل نے ملکی سی مزاحمت کی جس میں چند مسلمان شہید ہوئے۔ ان کے علاوہ کسی کو جراتِ مقابلہ نہ ہوئی۔

اس طرح آنحضرتؐ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے ظلم و جور کا ستایا ہوا غریب الوطن اپنی رسالت کو رحم و کرم سے ثابت کر کے آیا، وہ شہر جس نے اسے اور اس کے متبعین کو اذیتیں دے دے کر ایک اجنبی شہر میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا، وہ شہر جو اس کی اور اس کے جاں نثار دوستوں کی جان لینے کی قسمیں کھا چکا تھا، اب اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ اس کے بے رحم اور ظالم دشمن جنہوں نے پُر امن مردوں اور عورتوں پر ظلم ڈھایا کر انسانیت کے نام پر ایک بدنام و مصیبت لگا دیا تھا۔ اب کلثمتہ اس کے ٹھکانے میں تھیں۔ لیکن فتح و عروج کی اس گھڑی میں تمام تکلیفیں بھلا دی گئیں اور تمام مظالم معاف کر دیئے گئے۔ اور مکہ کی تمام آبادی کو عام معافی دے دی گئی۔ آپؐ کے بدترین دشمنوں کے شہر میں واجب القتل لوگوں کی فرست میں صرف چار نام تھے جن پر انصاف موت کا فتویٰ صادر کر چکا تھا۔ فوج نے بھی آپؐ کی مثال پر عمل کیا اور نہایت امن و سلامتی سے شہر میں داخل ہو گئی کہہ دینی گھر نہ لڑا گیا اور کسی عورت کی بے حرمتی نہ کی گئی۔ یہ ایک حقیقت کہ کسی فوج کی فاتحانہ حیثیت سے ایسے پُر امن طریق پر کسی شہر میں داخل ہونے کی مثال تاریخِ عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔ لیکن عربوں کے اصنام بے دردی کے لوڑ و بیٹے گئے۔ کفار و غم و تاسف میں اندر گرد کھڑے اپنے معبودوں کے زوال کو دیکھ رہے تھے۔ ان پر حقیقت واضح ہو گئی، حجب انہوں نے اس

پُرانی آواز کو جسے وہ تمسخر اور مزاح میں اڑایا کرتے تھے، بتوں کو گراتے ہوئے
 اور یہ کہتے ہوئے سنا "حق آگیا اور باطل ٹیمست و نابود ہوا۔ بے شک باطل
 ٹیمست و نابود ہوئے والا تھا۔ ان کے خدا کس قدر بے بس تھے۔

اس کام سے فراغت پانے کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں
 قرآن کریم کے الفاظ میں آپ نے اخمت و مساوات کو انسانیت کا ایک فطرتی
 حق بتایا اور پھر فرمایا "اے آلِ قریش! تمہارا کیا خیال ہے؟ مجھے تمہارے
 ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے؟ انہوں نے جواب دیا "ہمارے نیک بھائی
 اور شریف برادر زادے! ہم تم سے عفو اور رحم کی امید رکھتے ہیں، طبری لکھتا
 ہے کہ ان الفاظ پر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا "میں تم سے
 وہی بات کہوں گا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔ آج میں تمہیں
 ملامت نہ کروں گا، خدا تمہیں معاف کرے گا، وہ بڑا مہربان اور رحم
 کرنے والا ہے۔"

اب ایک ایسا نظارہ پیش نظر ہوا جس کی مثال تاریخِ عالم میں
 نظر نہیں آتی، گروہ درگروہ لوگ آتے اور اسلام قبول کرتے چلے جاتے۔ آپ
 کوہِ صفا پر بیٹھے ہوئے ان سے وہی عہد لیتے جو آپ نے مدینہ والوں سے
 لئے تھے "وہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ وہ چوری اور بدکاری
 نہ کریں گے، اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ وہ جھوٹ نہ بولیں گے اور عورتوں کو
 میرا نہ کہیں گے۔"

اور اس طرح قرآن کریم کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ جب خدا کی

مدد اپنی اور فتح ہو گئی اور تو نے لوگوں کو جوق جوق دینِ خدا میں داخل ہوتے
 دیکھا۔ پس خدا کی حمد و ثنا اور تقدیس کر، اس سے معافی مانگ، بیشک وہ
 بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ آنحضرتؐ کے مقاصد پورے ہو گئے۔ آپ نے
 اپنے مقتدر اصحاب کو تمام اطرافِ صحرا میں قبائل کو دعوتِ اسلام دینے
 کے لئے روانہ فرمایا اور انہیں تاکیدِ احکام دیئے کہ صلح و امن کے ساتھ
 تبلیغ کریں۔ انہیں صرف اپنے تحفظ کے لئے ہتھیار اٹھانے کی اجازت
 تھی۔ صرف ایک موقع پر ان سے سختی کی گئی۔ خالد بن ولیدؓ کے آدمیوں
 نے اپنے تو مسلم جنگجو سردار کی ماتحتی میں بنی جرمیہ کے چند آدمی مار ڈالے۔
 آپؐ نے غلطی سے انہیں دشمن سپاہ سمجھ لیا۔ لیکن دوسرے مسلمانوں نے دخل
 انداز نہ ہو کر مزید خونریزی روک دی۔ اس بے جا خونریزی سے آنحضرتؐ کو
 سخت صدمہ ہوا۔ آپؐ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اے
 خدا میں خالد کے افعال سے بری ہوں۔ آپؐ نے فوراً حضرت علیؓ کو
 روانہ فرمایا کہ بنی جرمیہ کے نقصان کی ہر ممکن تلافی کر دیں۔ یہ کام حضرت علیؓ
 کی طبیعت سے پوری مناسبت رکھتا تھا۔ اور آپؐ نے اسے بہت خوبی
 سے انجام دیا۔ آپؐ نے مقتولین کی صحیح تعداد معلوم کی اور ان کے رتبہ کا
 لحاظ کرتے ہوئے ان کے ورثاء کو پوری طرح دیت ادا کی۔ جب ورثاء مطمئن
 ہو گئے۔ تو بقایا رقم جو ان کے پاس بچ رہی تھی، مقتولین کے دوسرے رشتہ
 داروں اور افرادِ خاندان میں تقسیم کر دی گئی۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ اس جو دو
 سنانے ان کے دل مسرت سے بھر دیئے لوگوں کی دعائیں لیتے ہوئے

آپ واپس تشریف لائے۔ آنحضرتؐ نے آپ کا بہت بہت شکر یہ ادا کیا اور
بچہ تعریف کی۔

ہوازن، ثقیف اور دوسرے بدوی قبائل جن کی چرواگاہیں مکہ کی سرحد
پر واقع تھیں اور جن میں سے بعض کے قصبات طائف کی طرح محفوظ و مضبوط تھے
بغیر مقابلے کے مسلمانوں کے مطیع نہ ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس ارادہ سے
ایک اتحاد قائم کیا، کہ مسلمانوں کو تیاری کا موقع ہی نہ دیا جائے اور اچانک
حملہ کر دیا جائے۔ لیکن آنحضرتؐ کی مستعدی نے ان کے تمام منصوبے خاک
میں ملا دیئے۔

حنین کے قریب جو مکہ سے ۱۰ میل جانب شمال واقع ہے ایک خوب
لڑائی کے بعد کفار کو سخت نقصان کے بعد پسپا ہونا پڑا۔ ان کی فوج دو گروہوں
میں منقسم ہو گئی۔ ایک گروہ جو زیادہ تر بنی ثقیف پر مشتمل تھا طائف میں پناہ
گزین ہوا جس کی حدود سے آٹھ نو سال قبل آنحضرتؐ کی نہایت اہانت سے
نکال دیا گیا تھا۔ باقیماندہ وادی اوطاس کی طرف بھاگ گئے۔ ان کا تعاقب
کیا گیا اور ہوازن کا تمام قبیلہ اپنے جملہ دینی مال و دولت کے ساتھ
مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ طائف محصور کر لیا گیا۔ لیکن آنحضرتؐ نے جلد ہی
محاصرہ اٹھا دیا۔ آپ کو خوب معلوم تھا کہ حالات خود انہیں مجبور کر دیں گے۔
اور طائف والے بغیر خونریزی کے ہتھیار ڈال دیں گے۔ واپسی پر آپ نے ہوازن
کے ایک وفد کو منتظر پایا جو اپنے قیدیوں کی واپسی کی التجا لے کر آئے تھے۔
آپ عربوں کی حساس طبیعتوں سے واقف تھے خصوصاً اپنے حقوق کے

معاہلے میں اس لئے آپ نے جواب دیا کہ میں اپنی قوم کو فترت فتح سے محروم
 ہونے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور اگر تم قیدیوں کو واپس لینا چاہتے ہو تو کم سے
 کم مال غنیمت سے تمہیں دست بردار ہو جانا چاہئے۔ وہ اس بات پر
 رضامند ہو گئے۔ چنانچہ دوسرے روز جب آپ متبعین کے ساتھ نماز ظہر ادا
 فرما رہے تھے۔ وہ پھر آئے اور اپنی گزارشات کو دہرایا۔ ہم رسول اللہ سے
 التجا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے ہماری شفاعت کریں۔ اور مسلمانوں
 سے استدعا کرتے ہیں کہ رسول اللہ سے ہماری سفارش کریں کہ وہ ہماری
 عزتیں اور بچے ہمیں دے دیں۔ آپ نے فرمایا: ”میں اپنا حصہ اور آل
 عبد المطلب کا حصہ تمہیں واپس دیتا ہوں۔“ آپ کے متبعین نے فوراً
 آپ کی اتباع کی اور ایک ٹھٹھے میں چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے۔ اس
 فیاضی نے بنی ثقیف کے دل فتح کر لئے اور کئی مسلمان ہو گئے۔ بنی ہوازن
 کے مال غنیمت کی تقسیم کے بعد جو واقعہ پیش آیا، اس سے جہاں اس بات
 کا اظہار ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو مدینہ والوں کے دلوں پر کس قدر قبضہ حاصل
 اور آپ نے ان میں کس قدر جاں نثاری کے جذبات پیدا کر دیئے تھے
 وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنی زندگی میں مال و دولت کی شکل میں
 انہیں کچھ بھی پیش نہ کر سکے۔ مال غنیمت کی تقسیم میں زیادہ حصہ مکہ کے
 نو مسلموں کو دیا گیا۔ بعض انصار نے اسے جانب داری پر مجبور کیا جب
 یہ باتیں آپ کے کانوں تک پہنچیں تو آپ نے سب کو جمع ہونے کا حکم دیا۔
 اور ان سے ان الفاظ میں خطاب کیا:۔

”اے انصار! جو باتیں تم آپس میں کر رہے ہو مجھ تک بھی پہنچی
 ہیں۔ جب میں تمہارے پاس آیا تو تم جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے
 تھے اور خدا نے تمہیں صراطِ مستقیم دکھایا تم دکھوں میں ڈوبے ہوئے تھے
 اُس نے تمہیں آرام دیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہیں
 اخوت و محبت کے رشتہ میں پرو دیا۔ مجھے بتاؤ کیا یہ صحیح نہیں؟“ انہوں
 نے جواب دیا۔ ”واقعی ایسا ہی ہے۔ جیسا آپ فرماتے ہیں۔ خدا اور
 اُس کے رسولؐ نے ہم پر شفقت دہرائی کی۔“ آپ نے فرمایا ”نہیں! خدا
 کی قسم ہے اگر تم اس طرح جواب دیتے تو صحیح تر تھا۔ اور میں اس
 کی صداقت پر گواہ ہوتا کہ لوگوں نے تجھے دعا باز اور جھوٹا کہہ کر اندر دیا
 تو ہمارے پاس آیا اور ہم تم پر ایمان لائے۔ تو ہمارے پاس بیٹھا اور
 مددگار آیا۔ ہم نے تیری مدد کی۔ تو غریب اور بے خانماں تھا۔ ہم نے
 تجھے پناہ دی۔ تجھے کوئی تسلی و تسفیٰ دینے والا نہ تھا۔ ہم نے تیری ہمت
 بندھائی اور دلجوئی کی۔ اے انصار! دنیا کے فانی مال کے لئے اپنے
 دلوں کو پریشان کیوں کرتے ہو؟ کیا تم اس سے مطمئن نہیں ہو کہ دوسرے
 اونٹ اور بکریوں کے ریوڑ لے لیں اور تم مجھے لے کر اپنے گھروں کو جاؤ
 اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں تمہیں کبھی نہ
 چھوڑوں گا۔ اگر تمام دنیا ایک طرف ہو جائے اور انصار دوسری طرف
 تو یقیناً میں انصار کی طرف جاؤں گا۔ خدا اُن پر مہربان ہو۔ اُن کی اولاد
 اور اُن کی اولاد کی اولاد پر رحمتیں نازل فرمائے۔“ مؤرخ لکھتا ہے

کہ ان الفاظ پر انصار اس قدر روئے کہ ان کی دائڑھیاں آنسوؤں
سے تر ہو گئیں۔ اور سب یک زبان ہو کر پکار اُٹھے: یا رسول اللہ ہم اپنے
حصّے پر مطمئن ہیں، مجمع مطمئن ہو کر منتشر ہو گیا۔

اس کے بعد جلد ہی آنحضرتؐ مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔

اکھوال باب

عام الوفود

فَاَقِ النَّبِيِّنَ فِي خُلُقٍ وَفِي خُلُقٍ
وَلَمْ يَدَانُوهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ
وَأَحْكَمَ مَا شِئْتُ مَدْحًا فِيهِ وَجَهْتَكُمْ
دَعَا مَا أَدْعَتْهُ النَّصَارَىٰ فِي بَنِيهِمْ

(قصيدة البردة)

إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٍ يَسْتَأْضِئُ بِهِ

وَصَارِمٌ مِّنْ سُنُوفِ اللَّهِ مَسْبُورٌ رَّكِبٌ بِنِزَارٍ

۹ نویں صدی ہجری ان وفود کی وجہ سے مشہور ہے جو

۲۰ اپریل ۴۳۱ء سے گروہ درگروہ اطاعت کے لئے حاضر ہوئے وحشیانہ

۹ اپریل ۴۳۲ء تک بہادری انہوں ریزی اور کفر کی ایک گھٹا جو اس

ملک پر چھا رہی تھی ہمیشہ کے لئے کھل گئی اور زمانہ بجاہلیت ختم ہو گیا۔

۱۰ فتح مکہ نے عرب کی صنم پرستی کا فیصلہ کر دیا جو لوگ ابھی تک اپنی

خوبصورت ماہتابی دیولوں آلات، منات اور عزیٰ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے

تھے، اس قلعہ کے سقوط نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ مکہ والوں کی اطاعت

سے دوسرے صحرائی قبائل بہت متاثر ہوئے اور ان قبائل کی طرف سے جو

مسلمانوں کے سخت زہین دشمن تھے، اتحاد و اطاعت کے لئے وفود آنے

شروع ہوئے۔ آنحضرتؐ کے مقتدر صحابی اور مدینہ کے ذی رتبہ باشندے ان
سفر کو اپنے گھروں میں اُتار لئے اور عرب کی مشہور جہاں نوازی کے مطابق ان
کی خوب خاطر و مدارات کرتے۔ واپسی پر انہیں زادِ راہ کے طور پر محفوظ نہیں
دی جاتیں۔ اور ہر شخص کے رُبتے اور حیثیت کے مطابق تحالف بھی دیئے
جاتے۔ اکثر قبائل کے حقوق کے متعلق تحریری دستاویز عطا کی جاتی اور ایک
معلم دیا جاتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات انہیں سکھائے اور صنم پرستی کا
شائبہ تک مٹ جائے۔

اس اثنا میں جبکہ یہ عظیم الشان مدبر قبائل عرب کو جدید احکامِ بانی
کے رشتے میں پروں رہا تھا، بیرونی خطرات سے بھی خبردار تھا۔
باز لطینی اب فتحِ عرب کے وہی خواب دیکھنے لگے جنہوں نے ایک
دفعہ اس سے قبل سلطنتِ روم کے بانی کو فوجیں بھیجنے پر آمادہ کیا تھا۔ ہر قتل
ایہ انہوں کو شکست دے کر پھولا ہوا تھا۔ اس کی سیاست بین نگاہ سزا
کے عجیب و غریب انقلابات کو ناک رہی تھی اور شاید اسے عربوں کی مٹھی بھر
فوج کے ہاتھوں اپنے نائبین کی شکست بھول گئی تھی۔ اثناءِ قیامِ شام میں
اس نے اپنے جاگیرداروں کو عرب پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک عظیم الشان
فوج جمع کرنے کی ہدایات دے دی تھیں۔ ان کی جنگی تیاریوں کی خبر مدینہ میں
بھی پہنچی اور مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ اگر یہ خبر صحیح ہوتی تو دولتِ
عامۃ اسلام کے لئے ایک زبردست خطرہ درپیش تھا۔ اس حملے کی
راہ گسٹس کے عہد میں ایلینس گیلنس کا حملہ

روک تھام کے لئے تمام اطراف کے رضا کار بلائے گئے۔ بدقسمتی سے
 نجد اور حجاز کو ایک سخت خشک سالی نے تباہ کر رکھا تھا۔ کھجوروں کی
 فصل تباہ ہو گئی تھی۔ بار برداری کے بے شمار جانور ہلاک ہو گئے تھے اور
 دیہات کے لوگ ایسے حال میں اپنے گھروں سے دور کسی لڑائی پر
 جانے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ بعض بزدلوں نے باز اعلیٰ مینیوں کی طاقت سے
 مرعوب ہو کر اور گرمی کی زیادتی اور سفر کی صعوبات کو پیش نظر رکھ کر موسم کی
 خرابی کا بہانہ پیش کر دیا۔ کئی لوگوں نے اس خدمت سے معذوری کا اظہار کیا
 اور آنحضرتؐ نے ایسے لوگوں کو جو کمزوری کی وجہ سے تہیاء نہ اٹھا سکتے تھے
 یا جو بہت غریب تھے اور اپنے گھر نہ چھوڑ سکتے تھے یا جو اکیسے اپنے گھرانے
 کا سہارا تھے اس خدمت سے معذور رکھا۔ بے دلوں کی پیشی کو منافقین
 کی سازشوں نے بڑھانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ لیکن آنحضرتؐ کے خاص
 اور مخلص اصحاب کی مثال نے بزدلوں میں بھی جوش پیدا کر دیا۔ اور مجاہدین
 کو سخت ہدایت ہوئی۔ جلد ہی یہ جوش تمام لوگوں میں پھیل گیا۔ مصارف
 جنگ کے لئے چندہ شروع ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال پیش کر
 دیا۔ حضرت عثمانؓ نے بہت سے رضا کاروں کے تمام مصارف اپنے ذمہ
 لے لئے۔ اور دوسرے ذی رقبہ اصحاب نے بھی ایسی ہی فراخ دلی سے کام لیا
 سورتوں نے اپنے جواہرات اور زیور حکومت کی ضروریات کے لئے پیش کر
 دیئے۔ اس طرح ایک عظیم الشان فوج تیار ہو گئی۔ اور آنحضرتؐ کی معیت میں
 سرحد کی طرف کوچ ہو گیا۔

آنحضرتؐ کی غیر موجودگی میں شہر حضرت علیؑ کے سپرد ہوا۔ عبداللہ بن ابی
 اور دوسرے منافقین "شبیۃ الوداع" تک فوج کے ساتھ گئے۔ لیکن وہاں سے
 پھر مدینہ کو واپس آگئے۔ یہاں انہوں نے مشہور کر دیا کہ آنحضرتؐ اپنے چچا کے
 بیٹے (علیؑ) کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ یہ نفرت انگیز
 افواہ حضرت علیؑ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ آپ کو سخت غیرت آئی۔ اپنے ہتھیار
 سنبھالے اور فوج کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ آپ نے جلد ہی فوج کو جالیا۔ اور
 آنحضرتؐ سے سب معاملہ کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا یہ ایک جھوٹا الزام ہے۔ میں
 نے تمہیں بطور خلیفہ وہاں رکھا ہے۔ اپنی جگہ پر واپس جاؤ اور میرے اور اپنے
 لوگوں پر خلیفہ کے فرائض انجام دو۔ علیؑ! کیا تم اس بات سے مطمئن نہیں کہ تمہارا
 درجہ میرے نزدیک وہی ہے جو حضرت موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کا تھا۔ چنانچہ
 حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے۔

افواج اسلام نے گرمی اور پیاس کی وجہ سے سخت اذیتیں اٹھائیں۔
 اس تکلیف دہ سفر کے بعد فوجیں تبوک میں پھڑ گئیں جو مدینہ اور دمشق کے درمیان
 واقع ہے۔ یہاں وہ یہ سن کر حیران رہ گئے۔ اور شاید مطمئن بھی ہوئے کہ
 یونانی شہنشاہ کے حملے کی خبر بالکل بے بنیاد تھی۔ فی الحال دولتِ عامہ مدینہ کو
 کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو واپسی کا حکم ملا۔ تبوک میں جہاں پانی
 اور چارے کی فراوانی تھی، مسلمانوں نے بیس دن تک آرام کیا۔ اور پھر ماہِ رمضان

لہ کذبوا و لیکنی خلقک لما تدرکت ورائی فارجم فاخلفنی فی اہلی و اہلک

افلا تدعی یا علی ان تکون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ (ابن ہشام)

میں مدینہ کو واپس آ گئے۔

مدینہ کی واپسی پر سنگدل طائف والوں کا وفد آیا۔ وہی لوگ جنہوں نے آنحضرتؐ کو نہایت بے رحمی سے اپنے علاقہ سے نکال دیا تھا طائفی سردار عروہ جو صلح حدیبیہ کے بعد قریش کے ایلیچی کی حیثیت سے مکہ آیا تھا۔ آنحضرتؐ کی گفتگو اور اخلاقِ کریمانہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے فرائض انجام دینے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد حاضر خدمت ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ آنحضرتؐ کے ان تمام خطرات سے آگاہ کرنے کے باوجود جس میں وہ اپنے متعصب شہریوں میں جا کر اپنے آپ کو ڈال رہا تھا وہ نہ رکا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی تبدیلی نہ سب لوگوں پر ظاہر کرے۔ اور انہیں بھی برکاتِ اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دے۔ وہ رات کے وقت طائف پہنچا۔ اس نے اسی وقت لوگوں کو جمع کر کے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور دعوتِ اسلام دی۔ دوسری صبح اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ لیکن اُس کے الفاظ نے کافر پروہتوں اور عزیٰ کے پرستاروں کو غصے سے دیوانہ بنا دیا۔ چنانچہ انہوں نے عروہ کو سنگسار کر دیا۔ اس نے دم توڑتے ہوئے کہیں نے اپنا خون اپنے آقا اور اس کے متبعین کی نذر کیا۔ اور شہادت کا بلند مرتبہ ملنے پر خدا کے تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ آخر میں اپنے دوستوں کو وصیت کی کہ مجھے شہدائے حنین کے پاس دفن کیا جائے۔ عروہ کے آخری الفاظ اس کے ہم عصروں پر گہرا اثر کر گئے شہید کا خون قاتلوں کے دلوں میں ایمان بن کر ظاہر ہوا۔ رحم نے ان کے دل نرم کر دیئے اور شاید وہ صحابی قبائل کی عداوتوں سے بھی تنگ آچکے تھے۔

اس کا نتیجہ وہ وفد تھا جس کا ذکر ہم اوپر کر رہے ہیں جو عفو و تقصیرات کے لئے
 اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے استدعا کی
 کہ ہمارے بتوں کو تھوڑی سی مہلت بھی دی جائے۔ پہلے انہوں نے دو سال
 کی مہلت مانگی۔ پھر ایک سال کی پھر چھ ماہ کی۔ لیکن سب کوشش بے کار ثابت
 ہوئی۔ انہوں نے سمجھا کہ ایک ماہ کی مہلت تو ضرور دی جائے گی۔ اس لئے اس
 درخواست پر اڑے رہے۔ لیکن آنحضرتؐ کا فیصلہ اٹل تھا۔ اسلام اور
 بت پرستی اجتماعِ ضدین تھا۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہمیں نماز سے معذور رکھا
 جائے۔ آپؐ نے فرمایا: "عبادِ رتکے بغیر مذہب بے معنی ہے" آخر انہوں
 نے آزرہ دلی سے سب کچھ قبول کر لیا۔ بہر حال انہیں اس قدر رعایت
 ضرور دی گئی کہ بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں۔ یہ کام ابوسفیان بن حرب
 اور مغیرہ کے سپرد ہوا۔ جنہوں نے طائف کی عورتوں کے مالہ و بچا کے درمیان
 اس کام کو انجام دیا۔

اب قبیلہ طے نے سر اٹھایا جنہیں پر وہست بھر کا رہے تھے۔ ایک
 چھوٹی سی مہم حضرت علیؑ کی سرکردگی میں ان کے بتوں کو توڑنے کے لئے بھیجی گئی
 عدی اس قبیلہ کا سردار تھا۔ جو اس حاتم کا بیٹا تھا۔ جس کی فیاضی اور
 خیرست کے کارنامے مشرقی دنیا کے پتے پتے کی زبان پر رواں ہیں۔ عدی
 حضرت علیؑ کے پیچھے ہی شام کی طرف بھاگ نکلا۔ لیکن اس کی بہن اور
 قبیلہ کے کئی دوسرے معزز سردار مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے۔ انہیں شام
 عزت سے مدینہ لایا گیا۔ آنحضرتؐ نے قیمتی تحائف دے کر سب کو آزاد کر دیا

عدی کی بہن شام میں گئی۔ اور اپنے بھائی کو آنحضرتؐ کے خلق و مروت کا تمام قصہ کہہ سنایا۔ عدی کا دل احساساتِ ممنونیت سے پُر ہو گیا۔ وہ جلدی سے مدینہ آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنے قبیلے میں جا کر انہیں بھی صنم پرستی ترک کرنے پر آمادہ کیا اور اس طرح بنی طے بوکھر میں جکڑے ہوئے تھے اسلام کے سچے پیرو بن گئے۔

تبدیلی مذہب کی دوسری قابل ذکر مثال کعب ابن زہیر کی ہے۔ یہ شخص بنی مزاعنہ کا ایک مشہور شاعر تھا، اور مسلمانوں کے خلاف دشمن قبائل کو ابھارنے میں خاص حصہ لیتا رہا تھا۔ اس کے مسلمان بھائی نے اُسے اسلام لانے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ کعب خفیہ طور پر مدینہ میں داخل ہوا، اور آنحضرتؐ کے پاس مسجد میں چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص کے گرد چند عرب بیٹھے ہوئے

۱۴۸-۹۸۹ھ ابن الاثیر جلد دوم ص ۲۱۸ طبری جلد دوم ص ۱۴۱-۱۴۲
عدی ربیع الثانی ۵۹ھ میں اسلام لایا۔ اس حساب سے اس واقعے کو غزوہ تبوک سے پہلے بیان ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے اس مواضع میں مؤرخین عرب کی ترتیب کا تمسک کیا ہے جب حاتم کی بیٹی آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے آپؐ اس طرح خطاب کیا: یا رسول اللہ! میرا باپ فاطمہ پانچواں میرا ایک رشتہ دار میرا بھائی مسلمانوں کو دیکھتے ہی پھاڑوں کی طرف بھاگ گیا میں اپنا فدیہ ادا نہیں کر سکتی۔ بس اے اپنی آنادی کے لئے آپکے رحم و کرم سے درخواست کرتی ہوں۔ میرا باپ ایک ذی برتہ انسان تھا، اپنے قبیلہ کا سردار تھا۔ قیدیوں کو آزاد کر دیتا تھا، غور زلوں کو حمایت کرتا تھا۔ غریبوں کو کھانا کھاتا تھا، مصیبت زدوں کی مدد کرتا تھا، اُس نے کبھی کسی کا سوال رد نہ کیا تھا۔ میں حاتم کی بیٹی ہوں۔ آپؐ فرمایا: تیرے باپ میں مومنوں جیسی صفات تھیں مگر مجھے آپؐ کے لئے دینے سے منع فرما کر نے کی اجازت ہوتی جس نے اپنی زندگی بت پرستی میں گزار دی ہو تو میں حاتم کی روح کے لئے ضرور دعا کرتا۔ پھر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: حاتم کی بیٹی آزاد کی جاتی ہے۔ اس کا باپ تیرا اور محمدؐ کا ہے۔ اور خدا تعالیٰ محمدؐ سے محبت رکھتا ہے اور انہیں اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔

سعدی نے بوستان میں اس واقعہ کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔

نہایت تعظیم و تکریم سے اس کے ارشادات سن رہے ہیں۔ اس نے رسول اللہ کو پہچان لیا اور صفوں کو چیرتا ہوا آپ کے قریب پہنچ کر بولا: "یا رسول اللہ! اگر میں کعبہ کو مسلمان کی حالت میں آپ کے سامنے پیش کر دوں تو کیا آپ اسے معاف فرما دیں گے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں! اس نے کہا: تو سنئے۔ میں ہی کعبہ ابن زہر ہوں! مجمع میں سے کئی آدمی اُسے قتل کرنے کے لئے نپکے۔ رسول اللہ نے فرمایا: کھڑو! میں اسے امان دے چکا ہوں" کعبہ نے قصیدہ پڑھنے کی اجازت چاہی۔ جو ہمیشہ سے عربی شاعری کا شاہکار سمجھا گیا ہے۔ جب وہ ان الفاظ پر پہنچا: رسول ایک مشعل ہے جس نے تمام دنیا کو منور کر دیا۔ وہ خدا کی تلوار ہے جو کفر کو فنا کرتی چلی جا رہی ہے: تو آپ نے اپنا خرقة اتار کر اُسے دے دیا۔ جو بعد میں اُس کے خاندان نے معاویہ کے ہاتھ چالیس ہزار درہم میں فروخت کیا۔ اور بنی اُمیہ اور بنی عباس سے ہوتا ہوا اب سلطنت عثمانیہ کے پاس محفوظ ہے اور اشد ضرورت کے وقت علم قومی کی حیثیت سے بلند کیا جاتا ہے۔

اس وقت تک کفار کو کعبہ میں داخل ہونے اور اپنی کافرانہ عبادات کی بجا آوری کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ اب فیصلہ کر لیا گیا کہ اس ناپاک صورت حالات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے تاکہ غیر راسخ دل پھر بت پرستی کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس سال کے آخری مہینے یعنی ذوالحجہ میں قریانی کے دن (یوم النحر) ایک اجتماع عظیم کے روبرو حضرت علیؑ نے اعلان کیا کوئی بت پرست اس سال کے بعد کعبہ کا حج نہ کرے گا۔ کسی شخص کو برہنہ طواف کعبہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی جن قبائل کے رسول اللہ سے معاہدات ہو چکے ہیں،

ان پر ہم مدت معاہدہ ختم ہونے تک قائم رہیں گے۔ دوسروں کو چار ماہ کی مدت دی جاتی ہے تاکہ اس مدت میں وہ اپنے علاقوں میں واپس چلے جائیں۔ اس کے بعد رسول اللہؐ پر کسی قسم کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ سوائے اُن کے جن کے ساتھ معاہدات ہو چکے ہیں۔“

یہ اعلان رسول اللہؐ کی دوراندیشی کا ایک نمایاں ظہور تھا۔ اگر مسلمانوں کو جج ہیں کفار سے ملنے دیا جاتا اور ان کی فحش اور ذلیل باتوں کو جاسی رہنے دیا جاتا تو وہ تمام ثمرات جو آنحضرتؐ نے اس محنت و جانکاہی سے حاصل کئے تھے، مختوری ہی مدت میں ضائع ہو جاتے۔ تاریخ نے عربوں جیسی ہی ایک اور قوم کو دیکھا ہے جو بت پرستوں میں آکر آباد ہوئی۔ اس کے پیشواؤں نے یہوداہ کی پرستش کو محفوظ رکھنے کے لئے جس کے پرستاروں کو گروہ در گروہ قتل کیا۔ لیکن اس کے باوجود بالکل ناکام رہے۔ اسرائیلی نہ صرف تاثرات بد کے ماحول میں دب گئے۔ بلکہ جن مکفرانہ عقاید کی وجہ سے وہ اُن سے نفرت کرتے تھے انہیں کے عمل میں خود اُن سے بازی لے گئے۔ آپ کو معلوم تھا کہ کفار کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات کا قیام آپ کے کام کو تباہ کر دے گا۔ آپ نے جو وسائل اختیار کئے بظاہر تو وہ درشت نظر آتے ہیں لیکن انہیں میں رحمت و شفقت پوشیدہ تھی۔ یہ عظیم الشان گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعلان سن کر اپنے گھروں کو واپس چلا گیا۔ لیکن آئندہ سال ابھی حج کے دن نہ آئے تھے کہ دنیا نے انہیں مسلمان دیکھ لیا۔

نواں باب

تکمیل رسالت

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا

۱۹ اپریل ۱۳۳۷ء سے
۲۹ مارچ ۱۳۳۷ء تک

اس سال کے دوران میں مختلف قبائل اور سرداروں کی طرف سے اطاعت کی تسدیق کے لئے سفر کئے۔ جن پہنچوں کو آپ دوسرے صوبوں میں بھیجتے تھے

منہرجہ ذیل ہدایات دی جاتیں :-

”لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور سختی کا اظہار نہ کرنا۔ انہیں بشارتیں دینا اور منہجوم نہ کر دینا۔ اور تمہیں اہل کتاب ملیں گے جو تم سے کلید آسمانی کے متعلق دریافت کریں گے تم جواب دینا کہ آسمان کی کلید ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں“

مقامِ رسالت کی تکمیل ہو گئی۔ وحشت و بربریت میں ڈوبی ہوئی ایک قوم میں سے بنی مسعود ہوا جس نے انہیں خدائے تعالیٰ کے نشانات دکھائے۔ انہیں پاک کیا اور قرآن اور حکمت کی تعلیم دی۔ اس نے انہیں ذلت و خواری اور توہمات میں غرق پایا۔ اور انہیں سچائی اور محبت میں

خدا نے واحد کا جلوہ دکھایا۔ اُس نے انہیں افتراق اور ایک دوسرے کے خلاف ایک لائق نہیں جنگ میں مصروف پایا اور انہیں اخوت اور رحم کے رشتے سے وابستہ کر دیا۔ زمانہ دور از سے جزیرہ نما کے عرب جہالت کی تاریکیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ رومنیت بالکل نابود ہو چکی تھی۔ یہودیت اور عیسائیت عربوں کے دل پر دیر پا اثر ڈالنے میں ناکام رہی تھیں۔ لوگ تو بہت ظالم اور زبوں کاری میں ڈوبے ہوئے تھے۔ محرمات سے نکاح اور اولاد کے قتل جیسے خبیثانہ رواج جاری تھے۔ سب سے بڑا بیٹا دوسری جائداد کے ساتھ اپنے باپ کی بیواؤں کو بھی ورثہ میں پایا تھا۔ اپنی کمسن لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے گا جو انیت سے بدتر فعل قبائل قریش اور کندہ میں سب سے زیادہ رائج تھا، اور ہندو راجپوتوں کی طرح اسے قابل فخر سمجھا جاتا تھا۔ حیات بعد المات اور نیکی اور بدی کی جزا و سزا کو کوئی نہ جانتا تھا۔ یہ بھی عرب کی حالت بعثت رسولؐ سے چند سال پیشتر اور اس کے چند ہی سال بعد کیسا عظیم الشان انقلاب آیا۔ یقیناً آسمانی فرشتہ اس ملک پر پھر گیا، اور ان لوگوں کے دلوں میں جواب تک افعال قبیحہ میں پھنسے ہوئے تھے امن و محبت کی روح پھونک گیا۔ ایک اخلاقی ویرانے کی بجائے جہاں خدا اور انسان کے تمام قوانین کو نہایت بے دردی سے پامال کیا جاتا تھا، ایک خوشنما بارغ میں نظر آنے لگا۔ کفر اپنے لائق مکر و ہاتکے ساتھ یکسر فنا کر دیا گیا۔ تاریخ عالم میں اسلام ہی ایک ایسے عظیم الشان مذہب کی مثال پیش کرتا ہے جس نے ایسے لوگوں میں اشاعت پائی اور لوگوں پر حکومت کی جن پر ابھی آفتاب تہذیب کی پہلی کرن

بھی نہ چمکی تھی اور اس کے باوجود وہ بت پرستی کے استیصال میں عملی طور پر کامیاب
 ہوا۔ یہ نادر الظہور واقعہ اسلام کی فتح الفتوح سمجھا جائے گا۔ اور اس کے بانی کی
 حکمت و دانش کا نمایاں ترین ثبوت شمار ہوگا۔ یہود اور عیسائیوں نے عربوں کو
 کفر و الحاد، وحشت اور اخلاقی مذلت سے نکالنے کے لئے مذہبوں سر ہٹکا۔ لیکن جب
 تک انہوں نے خدا کے رسولؐ سے "روح کو بیدار کرنے والے نغمے" نہ سُن
 لئے وہ اس خدائے حق کی ہستی کے قائل نہ ہوئے جو کائنات کو اپنی قوت اور
 محبت سے محیط کئے ہوئے ہے۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا مصلح
 نظر دنیا نہیں۔ بلکہ قبر سے پرے، بلند تر اور پاک تر، خیرات، نیکی، انصاف
 اور عالمگیر محبت ہے۔ اب ان کا خدا وہ امروز و فردا کا خدا نہیں، جو لکڑی اور
 پتھر سے تراشا جاتا تھا بلکہ ایک زبردست رحمن و رحیم اور خالق ارض و سما خدا
 ہے۔ اس نئی بیداری کے مصدر و منبع آنحضرتؐ تھے۔ آپؐ وہ سیمین چشم
 تھے جس سے ابدی امیدوں کی نہریں بہہ نکلیں۔ اب ان کی زندگی کا صرف یہ
 مقصد تھا کہ خدا کی عبادت زہد و تقویٰ سے کریں اور زندگی کے ہر شعبے میں
 اس کے احکام کو بجالائیں۔ وہ حقائق و عقاید اور وہ نصائح و احکام جو آنحضرتؐ
 وقتاً فوقتاً گزشتہ بیس سال سے اپنے متبعین کو تلقین کرتے رہے تھے، ان
 کے دلوں پر ثبت ہو گئے اور ان کی زندگی کا دستور العمل بن گئے۔ قانون اور
 اخلاق متحد ہو گئے۔ اس زمانہ سے لے کر حبیب قدیم عیساؑ بیت نے خواہیدہ دنیا
 کو ایک دم بیدار کر دیا تھا اور کفر کے خلاف ایک ہوت آفریں جنگ شروع کر دی تھی
 چشمِ عاشم نے ایسی روحانی بیداری کا نظارہ نہ کیا تھا۔

آپ کا کام تکمیل کو پہنچ گیا۔ یہ حقیقت کہ آپ کا تمام کام آپ کی زندگی ہی میں مکمل ہو گیا تمام زمانوں اور تمام ملکوں کے پیغمبروں، حکیموں اور فلاسفوں پر آپ کے نمایاں تفوق کا اظہار کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰ، موسیٰ اور نشت ساکیا منی اور افلاطون ہر ایک کے خدا کی بادشاہت کے متعلق جمہوریت کے متعلق اور ان عقائد کے متعلق اپنے اپنے تصورات تھے جن کے ذریعہ انہوں نے انسان کو پستی سے نکال کر ایک جدید اخلاقی بلندی پر کھڑا کرنا چاہا تھا لیکن وہ تمام اپنی امیدوں کے پورا ہونے بغیر اور اپنی درخشاں خوابوں کی تعبیر دیکھ بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے اور اپنے ہم جنسوں کی فلاح و بہبود کا کام اپنے قوی متبعین یا تاجدار شاگردوں کے سپرد کر گئے۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ اپنا کام اور اپنے پیغمبروں کا کام تکمیل تک پہنچائیں۔ بنی نوع انسان کی اصلاح اور درستی کا کام صرف آپ کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ آپ کا کوئی تاجدار یا پیروا اپنی افواج قاہرہ کے زور سے آپ کی تعلیمات منوالہ نہ آیا۔ کیا مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ تمام کام انسان نے نہیں بلکہ خود خدا نے انجام دیا۔

وہی غریب و اعظ جسے ابھی اگلے دن اپنے ہی وطن میں جوہر و ستم سے کہیں پناہ نہ ملتی تھی اور جسے اس جگہ سے پتھر مار کر نکال دیا گیا تھا وہ خدا کا پیغام مناسنے لیا تھا۔ نو سال کے مختصر سے زمانے میں اپنی قوم کو اخلاقی اور روحانی مذلتوں کی گہرائیوں سے نکال کر پاکیزگی اور صداقت کی بلندیوں پر لاکھڑا کرنا ہے۔

آپ کی زندگی صداقت اور ذوقِ یقین سے اپنے مفوضہ کام کی انجام
 دہی کی بہترین مثال ہے۔ آپ نے خواہیدہ لوگوں میں مل کی روح پھونک
 دی۔ آپ نے متخاصم قبائل کو متحد کر کے ایک قوم بنادیا اور ابدی زندگی کی
 امیدیں پیدا کر دیں۔ آپ نے روشنی کی منتشر کرنوں کو جو ہمیشہ سے انسان کے
 دل پر منعکس ہوتی چلی آئی تھیں۔ ایک شیشہ میں مرکوز کر دیا: یہ تھا آپ کا
 کام۔ اور آپ نے اسے ایسے جوش اور سرگرمی سے انجام دیا کہ کوئی مصحت
 قبول نہ کی۔ کسی رکاوٹ کو محسوس نہ کیا۔ ایسی جوانمردانہ ہمت سے کام لیا
 جو کسی مزاحمت کو خاطر میں نہ لاتی۔ خطرناک نتائج کی پروا نہ کرتے ہوئے آپ نے
 اپنے واحد کے حصول میں اپنی ذات تک کو بھلا دیا۔ وحدانیت الہی کا وہ
 سبق یوگیلی کے ساحلوں پر دیا گیا تھا، گوشت و پوست کے بنے ہوئے خدا کی
 پرستش میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اور خداوندِ ناصرہ کی پیروی کے دعویداروں میں
 ایک دیوی کی قدیم پرستش جاری ہو چکی تھی جو برا کا گوشہ نشین وہ اُمّی فلسفی جو ایک
 ہٹیلے بُت پرستوں کی قوم میں پیدا ہوا، اُن قوموں کے دلوں پر چنبھوں نے ایک دفعہ
 اس کی آواز سنی، خدا کی وحدانیت اور انسان کی مساوات کا ایسا فلسفہ بھٹا
 گیا جو مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ اس کی جمہوریت نواز گرج "سنہ پر و ہنتوں
 اور حکمرانوں کے ظلم و ستم کے خلاف عقلِ انسانی کو بیدار کر دیا۔ اُن متخاصم مذاہب
 اور ظالمانہ عقائد کے زمانے میں جب انسان کی روح لہجہ الفہم عقائد کے
 بوجھ تلے دبی جا رہی تھی اور انسانی جسم خود عرضانہ فوائد کے لئے کچلے جا رہے تھے
 اس نے ذاتِ پاست اور امتیازِ می فوائد کی تمام زنجیروں کو توڑ کر رکھ دیا۔ اس

نے ان تمام عنکبوتی جالوں کو جو انسان اور خدا کے درمیان تانے گئے تھے ایک پھونک سے اڑا دیا۔ اس نے خالق کے ساتھ مخلوق کے تعلقات براہ راست قائم کر دیئے۔ اس بنی اُچی نے جس کا پیغام اقوام عالم کے نام تھا۔ علم و دانش کی قدر و قیمت بتائی۔ اس نے بتایا کہ قلم کے ذریعہ انسان کے کارنامے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ قلم کے ذریعہ انسان کا سوازنہ کیا جاتا ہے، قلم ہی خدا کے تعالے کی نظروں میں افعال انسانی کا آخری منصف ہے آپ کا عقل اور دماغ کو کام میں لانے پر اصرار، آپ کا معجزات دکھانے سے انکار، خدائی حکومت کے متعلق آپ کا جمہوری تصور۔ آپ کے مذہبی خیالات کی عمومت، آپ کی سادہ شریعت، تمام باتیں آپ کو اپنے پیشرووں سے ممتاز کر رہی ہیں۔ آپ کی تمام باتیں عصرِ جدید سے مطابقت رکھتی ہیں۔ آپ کی زندگی اور آپ کے کام اسرار و رموز میں لپٹے ہوئے نہیں اور نہ آپ کی ذات کے متعلق جھوٹے قصے لکھے گئے ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم جب عرب کے لوگ فوج در فوج اسلام کے قبول کرنے کو آئے تو آپ نے محسوس کیا کہ آپ کا کام تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ اُس وقت آپ کو اپنا انجاء قریب نظر آیا اور آپ نے آخری حج کا ارادہ کیا۔ ۲۵ ذی قعدہ ۲۳ فروری ۶۳۲ء کے دن مسلمانوں کی ایک عظیم الشان جماعت کے ساتھ رسول اللہ مدینے سے رخصت ہوئے۔ مکہ پہنچنے پر اور مناسک حج ادا کرنے سے قبل (۸ ذی الحج) آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو اب الا یا ذکب مسلمانوں کے دلوں سے محو نہ ہوگا۔

”لوگو! میری بات سنو۔ معلوم نہیں کہ میں اور تم پھر کبھی اس جگہ اکٹھے ہوں گے یا نہیں۔ لوگو! تمہاری جائیں اور تمہارے مال اور عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن اس شہر کی اور اس مہینے کی عزت کرتے ہو۔ تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی نسبت سوال فرمائے گا۔“

”لوگو! تمہارے عورتوں پر کچھ حقوق ہیں اور عورتوں کے تم پر حقوق ہیں عورتوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آؤ۔ کیونکہ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ اپنی امانتوں میں دیانتدار رہو اور گناہ سے بچے رہو۔ سود حرام ہے۔ مقروض صرف اصل ادا کرے گا۔ پہلا سود میں اپنے خاندان سے عباسی بن عبدالمطلب کا معاف کرتا ہوں زمانہ جاہلیت کے تمام جھگڑے مٹائے جاتے ہیں۔ پہلا خون میں ربیعہ بن عارض بن عبدالمطلب کا معاف کرتا ہوں۔“

”اور اپنے غلاموں کی بابت خیال رکھو کہ تم انہیں وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو وہی لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ اور اگر ان سے کوئی ایسا قصور سرزد ہو جو تم معاف نہ کر سکو تو ان کو عذا کر دو کیونکہ وہ بھی اس خدا کے بندے ہیں اور ظلم کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔“

”لوگو! میری بات سُنو۔ جان رکھو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کوئی چیز جو ایک بھائی کی ملکیت ہے دوسرا نہیں لے سکتا جب تک کہ وہ خود خوشی سے اُسے نہ دے۔ اپنے آپ کو بے انصافی

سے بچائے رکھو۔

”جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں یہ الفاظ سنی ہوئے
ممکن ہے وہ لوگ جنہیں بتایا جائے ان لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے
ہوں جنہوں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔“

یہ خطبہ جس میں کوئی شاعرانہ لکنتہ آفرینی نہ تھی ابو نعینا اپنے اندر لایچل
عقدے نہ رکھتا تھا۔ عقلمندوں کے لئے علی تعلیم کا سرمایہ دار ہے۔ انسان
کی فطرت ادنیٰ کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور انہیں اخلاقی رہنمائی کے
لئے ایک قطعی اور مکمل لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔

خطبہ ختم کرنے پر لوگوں کے ذوق و شوق کو دیکھ کر آپ بہت متاثر
ہوئے۔ اور فرمایا ”اے خدا! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا اور اپنا کام
پورا کر دیا۔“ تمام لوگ بیک آواز پکار اُٹھے ”بیشک آپ نے اپنا کام پورا
کر دیا۔“ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے فرمایا ”اے خدا! گواہ رہنا۔“ ان الفاظ کے ساتھ آپ نے
خطبہ ختم فرمایا جو ردایات کے بموجب طوالت، فصاحت اور عوش کی وجہ سے
بے مثال تھا، اور مناسکب حج ادا کرنے کے بعد آپ جلد ہی دوسرے
مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کو واپس آ گئے۔

آپ کی زندگی کا آخری سال مدینہ میں گزرا۔ آپ نے

۲۹ مارچ ۶۳۲ء سے مختلف صوبجات اور مسلمان نوآبادیوں کو منظم کیا۔ اور
۸ اپریل ۶۳۳ء تک اگرچہ شام اور عراق کے اکثر عرب ابھی تک عیسائی تھے

لیکن تمام عرب اب اسلام کا پیرو ہو چکا تھا۔ مختلف صورتِ حیات اور قبائل میں
فرائض اسلام سکھانے، عدالت کرنے اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے حاکم بھیجے
گئے۔ محاذ ابن حبل کو یمن بھیجتے وقت آپ نے ہدایت فرمائی کہ معاملات حکومت کے
انصرام میں اگر قرآن سے حوالہ نہ ملے تو اپنی عقل پر بھروسہ کیا کرو۔ حضرت علیؓ
کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا ”جب لوگ تیرے پاس انصاف کے لئے آئیں
تو جب تک فریقین کی بات نہ سن لو فیصلہ نہ کرنا۔“

عثمان بن زید کے ماتحت ایک مہم باز لطینیوں کے خلاف بھیجنے کی
تیاریاں کی گئیں۔ تاکہ ان سے سفیر کے قتل کے خوں بہا کا مطالبہ کیا جائے۔
فوجیں کوچ کرنے کے لئے شہر کے باہر تیار کھڑی تھیں کہ اس زہر کے اثرات
آپ پر ظاہر ہوئے جو خیبر میں یہود نے آپ کو دیا تھا۔ ظاہر ہوتا تھا کہ
اب آپ زیادہ دن زندہ نہیں رہیں گے۔ آنے والے خطرات نے ہم کو رگڑا
دیا۔ اس خبر نے ملک کے دُور دراز علاقوں میں بد نظمی پیدا کر دی۔ اوباشی و
غارت گری کے لئے نبوت کے تین دعویدار کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے پیغمبرؐ
کا دعویٰ کیا اور اپنے قبائل پر اثر ڈالنے کے لئے ہر قسم کے قریب و دعا
سے کام لینے لگے۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک ایسا کہ بن کعب تھا جو الاسود
کے نام سے مشہور ہے، وہ یمن کا سردار تھا اور علاوہ عقلمند اور امیر ہونے
کے چالاک اور شعیبہ باز بھی تھا۔ اپنے سادہ لوح قبائل میں شعیبوں کو
بطور معجزات پیش کر کے اس نے جلد ہی انہیں مطیع کر لیا۔ اور گرد و نواح
کے کئی علاقوں کو فتح کر لیا۔ اس نے شہر کو قتل کر دیا جسے آنحضرتؐ نے اس کے

مرحوم باپ بازان کی جگہ صحت کا گورنر مقرر کیا تھا۔ بازان خسرو ان ایران کے ماتحت یمن کا وائسرائے تھا۔ اور مسلمان ہونے پر آنحضرتؐ نے بھی اس کا عہدہ قائم رہنے دیا تھا۔ اس کی زندگی میں اس کا اثر و رسوخ نہ صرف اس کے ایرانی ہم عصروں پر تھا جو یمن میں آباد اور اپنا کھلاستہ تھے بلکہ اپنے صوبے کے عربوں پر بھی تھا۔ دغا بازا الاسود نے شہر کو قتل کر کے اس کی بیوی مرزبانہ سے جبراً شادی کر لی۔ ایک رات جب وہ شراب کے نشے میں مست پڑا ہوا تھا مرزبانہ کی مدد سے اسے قتل کر دیا دوسرے دونوں دعویداران نبوت طلحہ بن خویلد اور ابونمامہ حارث بن حبیب جسے عام طور پر سیلمہ کہتے تھے آنحضرتؐ ابوبکرؓ کے مسند نشین خلافت ہونے سے پہلے کہیں کر دار کو نہ پہنچے سیلمہ کو اس قدر حیرت ہوئی کہ آنحضرتؐ کو مسند پر جلیں ذیل خط لکھا: "خدا کے رسولؐ سیلمہ کی طرف سے خدا کے رسولؐ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو۔ میں تمہارا حصہ دار ہوں حکومت ہم دونوں کو تقسیم کر لینی چاہیے۔ نصف ملک میری ہو اور نصف قریش کی۔ لیکن قریش ہر چیز کو دبا لیتے ہیں اور انصاف نہیں کرتے۔" آپؐ نے جواب میں لکھا "خدا کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے محمدؐ رسول اللہؐ کی طرف سے سیلمہ کذاب کی طرف۔ سلام ہو ان پر جو راہ مستقیم اختیار کرتے ہیں۔ زمین خدا کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ فلاح صرف متقی ہی پائیگے۔"

آنحضرتؐ نے اپنے آخری ایام نہایت صبر و تحمل سے گزارے

اور باوجود حد درجہ کمزوری اور ناتوانی کے وفات سے تین دن قبل تک نماز کی امامت کرتے رہے۔ ایک روز آدھی رات کے وقت اپنے پُرانے رفقاء کی آخری آرامگاہ کو تشریف لے گئے اور رور و کران کے لئے مغفرت کی دُعا مانگتے رہے۔ آپ نے بیماری کے ایام میں رہائش کے لئے حضرت عائشہؓ کا گھر منتخب کیا جو مسجد سے بالکل متصل تھا اور جب تک آپ میں سکتا ہی جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے رہے۔ آخری مرتبہ جب آپ مسجد میں تشریف لے گئے تو علیؓ اور فضل بن عباسؓ آپ کو سہارا دیئے ہوئے تھے۔ سب نے دیکھا کہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ آپ کے چہرے پر ظاہر تھی بخدا لئے تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد آپ نے مجمع سے اس طرح خطاب کیا: "مسلمانو! اگر میں نے تم میں سے کسی پر ظلم کیا ہے۔ تو اس کے قصاص کے لئے میں تیار ہوں۔ اور اگر مجھے کسی کا کچھ دینا ہے تو جو کچھ میرے پاس ہے وہ تمہارا ہے۔" ایک شخص اٹھا اور تین درہموں کا مطالبہ کیا ابو اس نے آپ کے ارشاد پر ایک عزیب کو دیئے تھے یہ فوراً ادا کر دیئے گئے۔ اور فرمایا: "اس دنیا میں شرمندگی اٹھانا اس سے بہتر ہے کہ آخرت میں شرمندہ ہونا پڑے۔" پھر آپ نے دُعا مانگی اُن کے لئے جو موجود تھے اور اُن کے لئے جو دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ سب کو اعمالِ صالحہ نیکی اور صلح کی تلقین فرمائی۔ اور قرآن کے ان الفاظ پر تفسیر ختم کی: "آخرت کے گھر کو ہم نے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے، جو دنیا میں تکبر نہیں کرتے اور نہ فساد کرتے ہیں۔ اور عقیقی کی جڑائیں صرف پیہیز گاروں کے لئے ہیں۔"

اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف نہ لاسکے۔ آپ کی طاقت بھاری
 دے گئی۔ دو شنبہ کی دوپہر کے وقت ۱۲ ربیع الاول ۱۱۳۲ھ ۸ جون
 دعائے نکلتے ہوئے آپ کی روح جسدِ عنصری سے پرواز کر گئی اور ”رفیقِ اعلیٰ“
 سے جا ملی۔

اس طرح وہ زندگی ختم ہوئی جو ابتدا سے انتہا تک خدائے تعالیٰ اور
 اس کی مخلوق کی خدمت پر صرف ہوتی تھی۔ کیا ایسی آزمائشوں اور تحریکات کے
 درمیان دنیا میں ایسی زندگی کی کوئی اور بھی مثال ہے؟ کیا کوئی اور بھی ایسا ہوا ہے
 جو دنیا کی آگ میں اس طرح کھڑا رہ کر اس طرح صحیح و سالم نکلا ہو۔ ایک غریب
 واعظ عرب کا حکمران بنا، کسراؤں اور قبیلوں کا ہمسر بنا، قوموں کی قسمتوں
 کا فیصلہ کرنے والا لیکن فروتنی وہی ہے۔ روح ویسی ہی نیک، دل ویسا ہی
 پاکیزہ۔ عادات میں وہی استقلال، احساسات میں وہی نرمی اور لطافت
 اور اس فرض کی ادائیگی میں وہی استقامت ہے جس نے اُسے الامین کا
 خطاب دلایا تھا۔ یہ اپنے آپ سے بھی سختی سے محاسبہ کرتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ مکہ
 کے ایک محترم شہری سے مذہبی گفتگو میں مصروف تھے کہ ایک غریب نابینا سچائی کی جستجو
 میں آیا۔ آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور ملتفت نہ ہوئے۔ آپ ہمیشہ اس
 واقعہ کا ذکر اشوس اور شیمانی سے کرتے رہے۔ اس پر سورہ عبس نازل ہوئی۔

۱۱۳۲ھ عبد اللہ بن ام مکتوم

۱۱۳۲ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور منہ پھیر لیا۔ کیونکہ ایک نبی ان کے پاس آیا۔ اسے پیغمبر تم کیا جانی
 وہی گناہوں سے پاک ہو جاتا یا تیری باتیں سنتا اور ان سے مستفید ہوتا۔ جو شخص دین کی طرف سے
 بے پروائی کرتا ہے۔ اس کی طرف تم خوب متوجہ ہوتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ ہدایت (باقی صفحہ ۱۶۴)

اس قدمہ پاکیزہ حمد دل اور اس قدر شجاع ہستی ہمارے دلوں کو نہ صرف عزت سے بلکہ محبت اور اُلفت سے بھر دیتی ہے۔ بزرگوں کے لئے آپ کے اخلاق و تقوا صبحِ مغربوں کے لئے آپ کی مروت اور متکبروں کے لئے آپ کے پر وقار و تمکنت طرزِ عمل نے آپ کے لئے عالمگیرِ عظیم و توصیف کو حاصل کیا۔ آپ کی نیک دلی آپ کے چہرے سے ظاہر ہوتی تھی۔ کتابِ فطرت کا یہ عالم باوجود اُمّی ہونے کے اپنے وسیع قلب کے ساتھ جسے روحِ کائنات کی ہم کلامی نے بلند کر دیا تھا، ایک ایسی طاقت کا مالک تھا، جو عالم و جاہل دونوں کے دلوں کو مسح کر لیتی تھی۔ اس کے چہرہ پر شکوہ و تمکنت برستی تھی اور دکاوت و فرزانگی جو اس سے ملنے والے ہر شخص کو جذباتِ عزت و محبت سے بھر دیتی۔ بیشتر روایات آپ کی یکتا عالی ہمتی، آپ کے احساسات کی بدجہت غایت نرمی و لطافت آپ کی پاکیزگی اور صداقت پر مبنی ہیں۔ آپ اپنے خدمتگاروں پر بھی بے حد شفقت فرماتے۔ انس کہتے ہیں میں دس سال تک رسول اللہ کی خدمت میں رہا۔ لیکن اس تمام عرصے میں آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا۔ آپ کو اپنے گھر والوں سے بہت محبت تھی۔ آپ کا ایک صاحبزادہ اپنی دایہ کے دھواں دار گھر میں جو ایک نوہار کی بیوی تھی، آپ کی گود میں وفات پا گیا۔ آپ کو بچوں سے بہت محبت تھی۔ آپ گلیوں میں راستہ چلتے ہوئے انہیں پیار کرنے کے

(رقبہ صفحہ گزشتہ ۱۴۳) نہ پاسے تو تم پر کچھ الزام نہیں۔ اور جو شخص خدا سے ڈر کر دعوتاً ہوا میرے

پاس آیا۔ تو نے اس سے بے اعتنائی کی :

لئے ٹھہر جاتے۔ آپ نے تمام زندگی میں کسی کو نہ مارا۔ سخت ترین الفاظ جو آپ نے کسی کے متعلق استعمال فرمائے، یہ تھے: ”اُسے کیا ہو گیا ہے اُس کی پیشانی کچھڑے بھر جائے“ جب آپ سے کسی پر لعنت کرنے کے لئے کہا گیا۔ تو فرمایا ”میں لعنت کرنے نہیں آیا۔ میں انسان کی طرف رحمت لے کر آیا ہوں۔“

آپ بیمار کی عیادت کو جاتے، ہر جنازے کے ساتھ جاتے، غلاموں کی دعوت قبول کرتے، اپنے لباس کی خود مرمت کرتے۔ اپنی بیویوں کو دوہتے۔ اور اپنے سب کام خود انجام دیتے۔ آپ دوسروں کا ہاتھ اُس وقت تک نہ چھوڑتے، جب تک وہ خود نہ چھوڑتے، اور اس وقت تک رخصت نہ ہوتے جب تک دوسرا رخصت نہ ہو جاتا۔ آپ کا ہاتھ سب سے زیادہ سخی، آپ کا سینہ سب سے زیادہ باہمت، اور آپ کی زبان سب سے زیادہ سچی تھی۔ آپ جس کی سرپرستی کا ذمہ لیتے، اُسے وفاداری سے نباہتے۔ آپ کی گفتگو سب سے زیادہ شیریں ہوتی۔ جو لوگ آپ کو دیکھتے، آپ کی عزت کرتے، اور جو آپ سے ملتے۔ آپ سے محبت کرتے تھے۔ جو لوگ آپ کی تعریف بیان کرتے، کہتے ”کہ ہم نے اس شخص کی مثال کہیں نہیں دیکھی اور نہ آئندہ دیکھنے کی امید ہے۔“

آپ نہایت کم گو تھے اور جب بولتے تو ٹھہر ٹھہر کر بولتے۔ جو سننے والے کو کبھی نہ بھولتا۔ آپ کی طبیعت کا حیا اور رحم، صبر اور انکسار

ملنے والوں کی محبت کو مضبوط تر کر دیتا۔ آپ مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے۔ قسط سالی میں بھی اپنی خوراک دوسروں سے مل کر کھاتے۔ اور ہر شخص کی تکالیف کو رفع کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے۔ آپ ادنیٰ ترین لوگوں کے دکھ سننے کے لئے گلیوں میں پھڑپھڑاتے۔ اور ان کے غم اور مصیبت کے وقت انہیں تسلی و تشفی دینے کے لئے ان کے گھروں میں جاتے ادنیٰ ترین غلام آپ کو ہاتھ پکڑ کر کھینچ لے جاتے تاکہ آپ ان کے آقاؤں سے بدسلوکی کی تلافی کرا لیں یا آزادی حاصل کر دیں۔ کھانے پر بیٹھنے وقت آپ ہمیشہ دعا مانگتے اور ختم کرنے کے بعد شکر ادا کرتے۔ آپ کا وقت باقاعدہ تقسیم ہو چکا تھا۔ دن کے وقت نماز سے فارغ ہو کر آپ آنے والوں سے ملتے اور دنیاوی کاموں کو انجام دیتے۔ رات کے وقت بہت کم سوتے اور زیادہ وقت عبادت پر صرف کرتے۔ آپ غریبوں سے محبت کرتے اور ان کی عزت کرتے۔ وہ لوگ جن کا اپنا کوئی گھر یا نہ تھا راستے کے وقت مسجد میں سوتے جو آپ کے مکان سے ملحق تھی۔ ہر رات آپ اپنے غریبانہ کھانے پر ان میں سے چند کو شریک کر لیتے۔ باقی لوگ آپ کے ذی مقدر اصحاب کے مہمان ہوتے۔ آپ اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی اور تحمل سے پیش آتے۔ آپ حکومت کے دشمنوں سے سختی سے محاسبہ کرتے۔ لیکن اپنی ذات پر جو ظلم و ستم آپ نے برداشت کئے انہیں اپنے عروج و فتح کے وقت جو انسان کی آزمائش کا نازک لمحہ ہوتا ہے۔ بالکل بھلا دیا۔ اور اپنے بدترین دشمنوں کو عفو عام عطا فرمایا۔

آنحضرتؐ کے متعلق مسٹر پول کا بیان اس قدر خوبصورت ہے اور پھر بھی حقیقت پر اس قدر مبنی کہ میں اُسے درج کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

”اس شخص میں کوئی چیز بے انتہا نرم اور لطیف ہونے کے باوجود اس قدر شجاعانہ ہے۔ اور دل اُس کی عزت و حمیت سے اس قدر پُر ہو جاتا ہے۔ کہ انسان کی رائے کو رانہ ٹھوکر میں کھاتی رہ جاتی ہے۔ وہ شخص جو تنہا سالہا سال تک اپنی قوم کے جو روستم مردانہ دار برداشت کرتا رہا۔ وہی ہے جو کبھی دوسرے کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالنے میں سبقت نہیں کرتا۔ وہ وہی بچہ ل کا محبوب ہے۔ جو اُن کے پاس سے اپنی حیرت انگیز آنکھوں کے ایک لطیف تبسم یا ایک شرمیلی کلمے کے بغیر نہیں گزرتا جسے اس کی سُرلی آواز شیسریں تر بنا دیتی ہے۔ اس کی مخلصانہ دوستی اس کی بلند پایہ سخاوت، اس کی بے نظیر شجاعت نکتہ چینی کو خود بخود تعریف میں بدل دیتی ہے۔“

”وہ ایک جوشیلا انسان تھا، جوش ان با عظمت معنوں میں جب کہ وہ زمین کے نمک کا کام دے، اور زندہ انسانوں کو گلے سڑنے سے بچالے جوش عموماً عداوتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ایک ایسا براہِ ج

ہے جو بڑے مقصد کے ساتھ بنجر زمین میں ڈالا جاتا ہے۔
 اس لئے بار آور نہیں ہوتا۔ لیکن محمد (صلعم) کے متعلق
 یہ نہیں کہا جاسکتا۔ اس نے جوش کو اس وقت استعمال
 کیا۔ جس وقت جوش ہی ایک ایسی چیز تھی، جو دنیا کو بیدار
 کر سکتی تھی۔ اور اس کا جوش ایک شریفانہ مقصد کے لئے
 تھا۔ وہ ان چند خوش قسمت ہستیوں میں سے تھا جنہوں
 نے اپنی زندگیوں کو کسی عظیم الشان صداقت کے اظہار
 پر صرف کر دیا۔ وہ خدا کا پیغام بر تھا اور زندگی کے آخری
 لمحات تک وہ اس بات کو نہ بھولا، اور نہ اس پیغام کو
 بھولا جو اس کے سپرد کیا گیا تھا۔ لوگوں کو بشارات
 دیتے وقت اسے اپنے بلند و بالا مرتبے کا پورا احساس
 تھا۔ لیکن وہ اس عجز و انکسار کو بھی نہ بھولا۔ جس کی
 متقاضی اس کی بشریت تھی۔

✓ آپ کی عادات حد درجہ سادہ تھیں۔ آپ کی طرز زندگی، آپ
 کا لباس، اور گھر کا سامان آخر وقت تک سادگی کا نمونہ رہے۔ ابو ہریرہ رضی
 کا بیان ہے کہ کئی کئی وقت آپ فاقہ سے رہے۔ اکثر کھجوروں اور پانی
 پر آپ کا گزارہ ہوتا۔ غربت کی وجہ سے اکثر مہینوں آپ کے گھر آگ نہ
 جلتی۔ مسلمان مورخ کہتا ہے کہ بیشک خدا نے خزان ارضی کی چابیاں آپ
 کے سامنے رکھ دیں۔ لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ ✓

دُنیا کے اس ہادی اعظم کا دماغ اپنی ذہانت اور اپنے ترقی کرنے والے اعیان کی وجہ سے نہایت جدید واقع ہوا تھا۔ اُس کی تعلیم میں مسلسل جدوجہد انسانی زندگی کی ایک اشد ضرورت تھی۔ لَئیسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى اور السَّخَى مِثْنِ وَالْإِتْمَامُ مِنَ اللَّهِ پر اس کا ایمان تھا۔ جس دُنیا کا علم اُس نے سکھایا وہ ایک ایسی تخلیق تھی جس میں حسنِ تعظیم کا عمل تھا اور جس کی رہنمائی آسمان کو دھبہ بالائے طاقت کرتی تھی۔ جو تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔ اور جس میں بھجوانے کُلُّ أَمْرٍ مَزْهُونٍ بِأَوْ قَاتِهَا ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انسانی ارادہ اپنی نجات کے حصول کے لئے آزاد تھا۔ اس کی ہمدردی عالمگیر تھی۔ اُسی نے بتایا کہ خالق کا رحم و کرم اپنی مخلوق کے لئے عام ہے۔ اُسی نے کہا کہ ایک انسانی جان کو بچانا بھی ایسا ہی ہے جیسے ساری نوع انسان کی حفاظت کی گئی۔

اُس کا معاشرتی تصور تعمیری تھا، تخریبی نہیں۔ انتہا درجے کی روحانی کیفیت کے وقت بھی وہ ازدواجی زندگی کے احترام سے غافل نہ ہوتا تھا۔ اُس کے نزدیک خدمتِ خلق ہی بہترین عبادت تھی۔ مسلمانوں کو وہ یہ تلقین نہیں کرتا تھا کہ وہ اُن لوگوں کو چھوڑ دیں۔ جن کے فرائض اُن پر عائد ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ کہتا تھا کہ اپنے فرائض ادا کر کے مرتبہ اور اجر حاصل کرو۔ بچے اس کے نزدیک خدا کی امانت تھے جنہیں محبت و شفقت سے پالنے کا حکم تھا، اور والدین کے حقوق عزت و احترام تھے۔ حقوق و فرائض

کے دائرے میں رشتہ دار ہمسائے اور غریب و مساکین بھی آجاتے تھے۔
 بھروسہ صدیاں گزر گئی ہیں، جب اُس نے اپنا پیغام سنایا تھا لیکن
 امتدادِ زمانہ اُس عزت و احترام میں رخنہ اندازی نہیں کر سکا۔ جو مسلمانوں
 کے دلوں میں اور اُن کی زبان پر یہ نہ بھولنے والے الفاظ جاری ہیں:-
 رُوْحِیْ فِدَاکَ یَا رَسُوْلُ اللّٰہِ

— * — Monday 23.11.87

سیرت اقبال

مصنف

پروفیسر محمد طاہر فاروقی ایم اے لیکچرار اور نیٹل کالج لاہور

علامہ اقبال ملک کے سچے راہنما تھے ان کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس شاعرِ ربانی، فقیہِ مثال اور عظیمِ نظیرِ ہمدرد بنی نوع انسان کی تعلیمات اور سیرت پر کوئی بلند پایہ تصنیف اب تک شائع نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے کتاب کے اس نقصان کی تلافی کر دی ہے۔ کتاب کی ابتدا میں علامہ اقبال کے سوانح حیات تفصیل درج کئے ہیں۔ پچھو پ کی شاعری کے مختلف دور، تجلیل کے نمونے، ارتقا اور تصانیف پر ادبی و تنقیدی حیثیت سے تبصرہ کر کے علامہ کے شاعرانہ رتبہ اور مقبولیت پر بحث کی گئی ہے۔ پھر علامہ کا پیغام جو تمام دنیا کے نام ہے بیان کیا گیا ہے۔ اخیر میں مذہبی، سیاسی اور معاشرتی مسائل پر علامہ کے نظریات نہایت تفصیل سے پیش کئے ہیں۔

جناب خان بہادر اختر عادل صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ایم ایل اے نائب
شیخ الجامعہ، جامعہ اردو اگرہ ۹ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو تحریر فرماتے ہیں:-

”پروفیسر فاروقی کی سیرت اقبال میری رائے میں حضرت علامہ کی سیرت اور کلام پر لکھا اور منفرد ذمہ دارانہ تصنیف ہے۔ یہ کتاب حضرت علامہ کے کلام کے صحیح مفہوم اور مقصد کو اقبا لیات کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ کہ اقبا لیات سے ذوق رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ کلام اقبال کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس کتاب کو پڑھیں۔ میں حضرت مصنف کو اس پبلیش تصنیف پر مبارکباد دیتا ہوں“

لکھائی چھپائی کا عند عمدہ۔ قیمت بجلد

ٹیپو سلطان

مرتبہ

عبداللہ شہزاد بی۔ اسے رانرنا

سلطان ٹیپو ایسے وقت میں پیدا ہوا جبکہ اسلامی اقتدار ہندوستان میں بتدریج فنا ہو رہا تھا اور ایک بیرونی قوم کا استیلا آہستہ آہستہ مستقل اور مکمل ہو رہا تھا۔ سلطان حیدر علی کی دوراندیشی لگتا ہوں نے اس وقت اس خطرہ کو محسوس کر لیا جس کی تکمیل عند ۱۸۵۷ء کے بعد ہوئی۔ باپ بیٹوں نے وطن کے سچے پرستاروں کی طرح اپنے عزیز وطن کو اغیار کی غلامی سے چھڑانے کا عزم بالجبرم کر لیا حیدر علی نے آخر کار اس کشاکش سہم کو اپنے فرزند کے سپرد کر کے ہفر آخرت اختیار کیا۔ باپ کی جدوجہد کو بیٹے نے جاری رکھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں جب سلطان ٹیپو مسریہ آئے مسند تاجدار انگریزوں سے جنگ جاری تھی تخت پر بیٹھ ہی انہوں نے اس جنگ کو شدت سے جاری کر دیا۔ لیکن سلطان ٹیپو نے دکھلا دیا کہ اس گئے گندے زمانے میں بھی مسلمانوں کی قوم ایسے شیر دل بہادر پیدا کر سکتی ہے۔ اس نے دکھلا دیا کہ مسلمان اگر اپنے مذہب پر جان دے سکتا ہے تو اپنے وطن پر بھی ویسی ہی خوشی سے متابع زندگی قربان کر سکتا ہے۔

اس کتاب میں اسی جلیل القدر مستی کے حالات زندگی نہایت شرح و بسط اور صحیح تحقیق اور کاوش سے لکھے گئے ہیں۔ ملک بھر کے بہترین مقالہ نگاروں اور شاہیر نے اس کتاب کو مکمل کرنے میں پورا پورا حصہ لیا ہے۔ پہلا ادیشن مکتوں ہاتھ ختم ہو گیا۔ اب دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے جسے چھ ڈھائی سو صفحات خوبصورت جلد۔ بہترین لکھائی چھپائی اور کاغذ۔

قیمت صرف ۵۰

قومی کتب خانہ ریوے وڈ لا ہو سے طلب متا

سرور کائنات

سید امیر علی